اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

انجمن ترقی اردو پاکستان

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اُردو پاکستان: ۶۰۴

ISBN-978-969-403-140-8

اشاعت دوم: ۱۹۳۹ء

اشاعت سوم: ۱۹۵۳ء

اشاعت چہارم: ۱۹۷۷ء

اشاعت پنجم: ۱۹۸۶ء

اشاعت ششم: ۱۹۹۳ء

اشاعت [illegible]: ۲۰۰۸ء

تعداد: ایک ہزار

قیمت: [illegible]

مطبع: احمد برادرز

ناظم آباد، کراچی
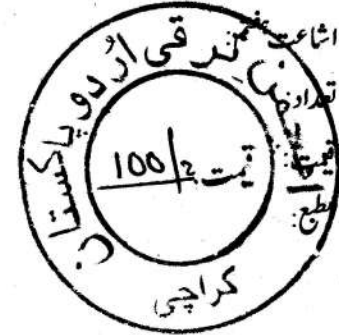
(دیگر سرکاری امداد یافتہ اداروں کی طرح
انجمن ترقی اردو پاکستان کو بھی اشاعت کتب کے لیے
اکادمی ادبیات پاکستان کے توسط سے امداد [illegible] ہے)

فہرست مضامین

اُردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام

اُردو کی ابتدائی نشوونما

میں

صوفیائے کرام کا کام !

صوفی صوف سے مشتق ہو یا صفا سے، وہ مذہبی اور اخلاقی عالم میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ملک و ملت سے بے نیاز ہے اور ہر قوم اور ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ وہ ایک قسم کا باغی ہے جو رسم و ظاہر داری کو، جو دلوں کو مردہ کر دیتی ہیں، روا نہیں رکھتا اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے۔ مولوی اور صوفی میں یہ فرق ہے کہ وہ ظاہر کو دیکھتا ہے اور یہ باطن کو۔ وہ لفظ دیکھتا ہے اور یہ معنی کو۔ وہ رسمیات اور تقلید کا پابند ہے اور یہ ان سے بیزار۔ اس کی نظر برائی پر پڑتی ہے اور یہ برے سے برے میں بھی بھلائی کا پہلو ڈھونڈ نکالتا ہے۔ وہ لعن طعن سے کام لیتا ہے اور یہ مہر و محبت سے۔ وہ سختی اور تشدد کرتا ہے اور یہ نرمی اور ملائمت۔ وہ بہت کم معاف کرتا ہے اور اس کا شیوہ درگزر کرنا ہے۔ وہ خودی اور خود نمائی سے بڑا بنتا ہے اور یہ فروتنی اور خاکساری سے دلوں میں گھر کرتا ہے۔ وہ دوسروں کے عیوب کا متجسس رہتا

رہتا ہے اور یہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے۔ وہ اپنے علم سے مرعوب کرنا چاہتا ہے اور یہ اپنے عمل سے دوسروں کو لبھاتا ہے۔

مولوی سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتا ہے لیکن صوفی ہر ایک کے رنگ طبیعت کو دیکھتا ہے اور جیسی جس کی طبیعت کی اُفتاد ہوتی ہے اُسی ڈھنگ سے اس کی تربیت کرتا ہے اور اس میں بعض اوقات وہ شریعت سے تجاوز کرنے یا بعض ارکان و اُصول کے ترک کرنے میں بھی مضائقہ نہیں کرتا۔ اس کی نظر انجام پر رہتی ہے۔ وہ مولوی کی طرح لفظ کا بندہ نہیں بلکہ معنی کو دیکھتا ہے۔ اصل صوفی بہت بڑا ماہر نفسیات ہوتا ہے اور باوجودیکہ وہ دنیا سے ایک گونہ بے تعلق اور مولوی اس کے مقابلہ میں بہت زیادہ دنیادار ہوتا ہے مگر وہ علماء کی نسبت کہیں زیادہ زمانے کی نبض کو پہچانتا ہے، وہ دلوں کو ٹٹولتا ہے اور اسی پر بس نہیں کرتا، بلکہ دلوں کی تہ تک پہنچتا ہے جہاں انسان کے اصل اسرار چھپے اور دبے رہتے ہیں، جن سے ہم خود بھی اکثر واقف نہیں ہوتے۔ مولوی کی نظر وہاں تک نہیں پہنچتی اس میں صوفی کی جیت ہے۔ اس کے بعد وہ نفس کی چوریاں اس آسانی، خوش اسلوبی اور لطف سے پکڑتا ہے اور ان کی اصلاح کرتا ہے کہ بعض اوقات مرید کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی۔ اس کا سب سے بڑا اور مقدم اصول دلوں کا ہاتھ میں لانا ہے اور اس مقصد کے حصول میں وہ کسی ظاہری رکاوٹ کی خواہ شرعی ہو یا غیر شرعی پروا نہیں کرتا اور سب کو توڑ کے رکھ دیتا ہے۔ اور صحیح بھی ہے، جب دل ہاتھ میں آگیا تو گویا سب کچھ مل گیا۔ کسی دل کا ہاتھ میں لانا ایک نئی دنیا کے فتح کرنے سے کم نہیں ہے۔ یہ جو مشہور ہے کہ "دل بدست آور کہ حج اکبر است" یہ صوفی ہی کا قول ہے، اور صوفی ہی اس پر عمل کرسکتا ہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے ایک بار فرمایا "اگر در ہوا پری مگسی، اگر بر دریا روی

خسی، اگر دل بدست آری کسی"۔ پیر استاد ہری کا ایک قول منقول ہے "نماز گزاردن کار بیوہ زناں است، روزہ داشتن صرفۂ ناں است۔ حج کردن کار بیکاراں است، دلے دریاب کہ کار آنست" (۱)

یہی وجہ ہے کہ علماء و اُمرا بلکہ حکومتوں اور بادشاہوں سے بھی وہ کام نہیں ہوسکتا جو فقیر اور درویش کر گزرتے ہیں۔ بادشاہ کا دربار خاص ہوتا ہے اور فقیر کا دربار عام ہے جہاں بڑے چھوٹے، امیر غریب، عالم جاہل کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ بادشاہ جان و مال کا مالک ہے۔ لیکن فقیر کا قبضہ دلوں پر ہوتا ہے اور اس لیے اُن کا اثر محدود ہوتا ہے اور ان کا بے پایاں۔ اور یہی سبب ہے کہ درویش کو وہ قوت و اقتدار حاصل ہوجاتا تھا کہ بڑے بڑے جبّار اور باجبروت بادشاہوں کو بھی اس کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا۔

مسلمان درویش ہندستان میں پُرخطر اور دشوارگزار راستوں، سربفلک پہاڑوں اور لق و دق بیابانوں کو طے کرکے ایسے مقامات پر پہنچے جہاں کوئی اسلام اور مسلمان کے نام سے بھی واقف نہ تھا اور جہاں ہر چیز اجنبی اور ہر بات ان کی طبیعت کے مخالف تھی۔ جہاں کی آب و ہوا، رسم و رواج، صورت و شکل، آداب و اطوار، لباس، بات چیت، غرض ہر چیز ایسی تھی کہ ان کو اہل ملک سے اور اہل ملک کو ان سے وحشت ہو۔ لیکن حال یہ ہے کہ انھیں مرے صدہا سال گزر چکے ہیں لیکن اب بھی ہزاروں لاکھوں بندگان خدا صبح و شام ان کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں اور جن جن مقامات پر اُن کے قدم پڑے تھے وہ اب تک "شریف" اور "مقدس" کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ یہ کیا بات تھی؟ بات

(۱) قلمی نسخہ سرور الصدور صفحہ (۲۲۰) کتب خانہ نواب صدر یار جنگ بہادر حبیب گنج

یہ تھی کہ ان کے پاس دلوں کے کھینچنے کا وہ سامان تھا جو نہ اُمرا و سلاطین کے پاس ہے اور نہ علما و حکما کے پاس۔

لیکن دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لیے سب سے پہلے ہمزبانی لازم ہے۔ ہمزبانی کے بعد ہم خیالی پیدا ہوتی ہے۔ درویش کا تکیہ سب کے لیے کھلا تھا۔ بلا امتیاز ہر قوم و ملّت کے لوگ ان کے پاس آتے اور ان کی زیارت اور صحبت کو موجب برکت سمجھتے۔ عام و خاص کی کوئی تفریق نہ تھی۔ خواص سے زیادہ عوام ان کی طرف جُھکتے تھے۔ اس لیے تلقین کے لیے اُنھوں نے جہاں اور ڈھنگ اختیار کیے ان میں سب سے مقدّم یہ تھا کہ اس خطّے کی زبان سیکھیں تاکہ اپنا پیغام عوام تک پہنچا سکیں چنانچہ جتنے اولیاء اللہ سرزمین ہند میں آئے یا یہاں پیدا ہوئے وہ باوجود عالم و فاضل ہونے کے (خواص کو چھوڑ کر) عوام سے انھیں کی بولی میں بات چیت کرتے اور تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔ یہ بڑا گُر تھا اور صوفیا اسے خوب سمجھتے تھے۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق فاضل شارح اکھروتی (تصنیف مَلِک محمد جائسی علیہ الرحمۃ) کے قول سے بھی ہوتی ہے جس کا اظہار اُنھوں نے کتاب کے خاتمے پر کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

"و توہّم نہ کنند کہ اولیاء اللہ بغیر از زبان عربی تکلّم نہ کردہ، زیراکہ جملہ اولیاء اللہ در ملک عرب مخصوص نہ بودہ۔ بس بہر ملک کہ بودہ زباں آں ملک را بکار بردہ اند۔ و گمان نکنند کہ ہیچ اولیاء اللہ بہ زبان ہندی تکلّم نہ کردہ زیراکہ اوّل از جمیع اولیاء اللہ قطب الاقطاب خواجہ بزرگ معین الحق والملّۃ والدین قدس اللہ سرہٗ بدیں زبان سخن فرمودہ، لبعد ازاں حضرت خواجہ گنج شکر قدس اللہ سرہٗ و حضرت خواجہ گنج شکر در زبان ہندی و پنجابی بعضے از اشعار نظم فرمودہ چنانکہ در مردم

مشہور اند۔ اشعار از دوہرہ و سورۃ .... و امثال آں نظم نمودہ۔ ہمچناں ہر یکے از اولیا بدیں لسان تکلم می فرمودند تاکہ عہد خلافت ایشان با محقق مدقق رسید[1] و وے دریں زباں بسیارے از مصنفات از رسائل و مطولات تصنیف فرمودہ و یکے از مصنفات وے اکھروتی است۔"

افسوس کہ باوجود تلاش کے ہمیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ العزیز کا کوئی معتبر قول ہندی زبان میں نہیں ملا، لیکن ان کی عالمگیر مقبولیت کو دیکھتے ہوئے یقینی امر ہے کہ وہ ہندی زبان سے ضرور واقف تھے کیونکہ ہندو بھی مسلمانوں سے کم ان کے معتقد نہیں۔ "ہندالولی" کی ترکیب اور "غریب نواز" کا لقب خود ان کی عام مقبولیت کی صاف شہادت دے رہے ہیں۔ البتہ شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کے متعدد مقولے ملتے ہیں۔ مولانا سید مبارک معروف بہ میر خورد سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مرید و مصاحب خاص تھے۔ انھیں کے پاس رہتے اور روزانہ فیض صحبت سے مستفید ہوتے تھے انھوں نے اپنی تالیف سیرالاولیا[2] میں حضرت کے اقوال و حالات جو اپنے کانوں سُنے اور آنکھوں دیکھے تھے مرتب کر کے لکھے ہیں۔

شیخ فریدالدین شکر گنجؒ

اس کتاب میں حضرت شکر گنجؒ کے دو ہندی قول بھی آگئے ہیں وہ ہم عبارت متعلقہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

"منقول است چوں شیخ جمال الدین[3] نقل کرد مادر مومناں[4] کہ خادمہ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہا بود مصلی و عصائے شیخ جمال الدین کہ از شیخ شیوخ العالم یافتہ

---

[1] اس سے مراد ملک محمد جائسی علیہ الرحمۃ ہیں [2] مرتب کردہ و شائع کردہ چرنجی لال مطبوعۂ مطبع محبِ ہند دہلی [3] شیخ جمال الدین ہانسوی الخطیب حضرت شکر گنج کے محبوب و معظم خلیفہ تھے، چنانچہ محض ان کی محبت کی وجہ سے بارہ سال تک ہانسی میں مقیم رہے۔ [4] شیخ جمال الدین کی ایک کنیز خادمہ تھی جو بہت صالح تھی اور ان کے عرائض حضرت شیخ شکر گنجؒ کے پاس لے جایا کرتی تھی۔ حضرت گنج شکرؒ اسے "مادر مومناں" فرماتے تھے۔ اسی وقت سے اس بی بی کا یہ لقب پڑ گیا۔

بود مولانا برہان الدین صوفی پسر خورد شیخ جمال الدین کہ پدر شیخ قطب الدین منور بود در عالم صغر بود، بخدمت شیخ شیوخ العالم برد، شیخ شیوخ العالم بہ مرحمت مولانا برہان الدین مذکور را تعظیم و تکریم نمود و بہ شرف ارادات و بیعت خود مشرف گردانید۔ چند روز برخود داشت و بوقت مراجعت خلافت نامہ و آں مصلیٰ و عصا بانعمتے کہ مولانا شیخ جمال الدین رواں کردہ بود، بہ مولانا برہان الدین صوفی بخشید و فرمود چنانچہ جمال الدین از جہت ما مجاز بود تو ہم مجازی و ایں ہم فرمود باید کہ چند گہے در صحبت نظام الدین باشی یعنی سلطان المشائخ۔ دریں محل مادرِ موماں بخدمت شیخ شیوخ العالم عرض داشت کرد بزبان ہندی کہ "خوجا بالا ہے" یعنی خورد است ایں بار گراں را طاقت نتواند آورد۔ شیخ شیوخ العالم قدس سرہٗ العزیز فرمود بزبان ہندی "پونوں کا چاند بھی بالا ہے" یعنی شب ماہ چہارم در اوّل شب خورد می باشد کہ بتدریج بہ کمال می رسد[۲]"

اس کتاب میں ایک دوسری جگہ ایک اور واقعہ لکھا ہے جس کا ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے۔

شیخ علی صابر ساکن قصبہ ڈیگری ایک بزرگ درویش تھے اور اکثر شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ان کو شیخ سے اجازت بیعت بھی تھی۔ ایک وقت جب کہ بعض بزرگوں کو جنھیں شیخ نے دولت خلافت سے مشرف کیا تھا ایک ایک کرکے وداع فرما رہے تھے، اور مخصوص وصیتیں کر رہے تھے اور ایک ایک شخص ان کے ہمراہ کر رہے تھے، اس اثنا میں شیخ علی صابر نے عرض کی کہ بندہ کے باب میں کیا ارشاد ہے۔ فرمایا "اے صابر برو بھوگہا خواہی کرد" یعنی ترا عیش خوش خواہد گزشت[۳]۔

---

[۱] حضرت شیخ شکر گنج قدس سرہ العزیز سے مراد ہے [۲] سیر الاولیا صفحہ ۱۸۲ [۳] سیر الاولیا صفحہ ۱۸۵

جمعات شاہی میں جو حضرت شاہ عالم کے ملفوظات کا مجموعہ ہے حضرت شکر گنج کا یہ منظوم قول نقل کیا ہے۔

اسا کیری یہی سوریت   جاؤں نائے کہ جاؤں مسیت

اس کے علاوہ حضرت کی بعض نظمیں بھی ملتی ہیں چنانچہ ایک پرانی بیاض میں مجھے یہ نظم دستیاب ہوئی۔

تن دھونے سے دل جو ہوتا پاک
پیش رو اصفیا کے ہوتے غوک
ریش بسلت سے گر بڑے ہوتے
بوکڑ واں[۱] سے نہ کوئی بڑے ہوتے
خاک لانے[۲] سے گر خدا پائیں
گائے بیلاں بھی واصلاں ہو جائیں
گوشہ گری میں گر خدا ملتا
گوشہ چو یاں (دہکنا) کوئی واصل نہ تھا

کئی سال ہوئے محمد شمیم صاحب ڈسنوی بہاری کا ایک خط مجھے وصول ہوا جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ کتب خانہ الاصلاح ڈلیسنہ کی ایک قلمی کتاب کی جلد خراب ہو گئی تھی جب اس کی نئی جلد بندھنے کو دی تو جلد کے اندر ایک کاغذ لگا ہوا ملا جس پر حضرت شیخ فرید گنج شکر کی یہ غزل ریختہ لکھی ہوئی تھی:

وقت سحر وقت مناجات ہے   خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا   خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے

---

[۱] بکرے [۲] لگانے

باتن[1] تنہا چہ روی زیر زمیں	نیک عمل کن کہ رہی سات ہے
پند شکر گنج کہ بدل جان شنو	ضایع مکن عمر کے ہیہات ہے[2]

مجھے حضرت کی ایک نظم "جھولنا شیخ فرید شکر گنج" کے نام سے ملی ہے یہ چار صفحے کا رسالہ ہے۔ نمونے کے طور پر دو شعر اس کے لکھتا ہوں :

(سگن ذکر جلی)

جلی یاد کی کرنا ہر گھڑی یک تل حضور سوں ٹلنا نہیں
اُٹھ بیٹھ میں یاد سوں شاد رہنا گواہ دار کو چھوڑ کے چلنا نہیں
پاک رکھ توں دل کو غیر ستی آج سائیں فرید کا آوتا ہے
قدیم قدیمی کے آونے سیں لازوال دولت کوں پاوتا ہے

سخاوت مرزا صاحب نے اپنی ایک نادر بیاض سے حضرت کی یہ غزل نقل کی ہے[3]۔ اس میں شطرنج بازی کے استعارے سے کام لیا ہے۔

شطرنج بازی کنتہ سوں جو کھلالوں روں	یک من یک جہت ہوئے کر شہ رخ جوروں
جب شہ آیا مات کوں ہوں رخ کیوں ہوروں	بازی میری کنتہ کی سنت قائم لوروں

---

[1] اصل مسودے میں کاتب نے باتن کو باطن اور زیر کو زین لکھ دیا ہے۔

[2]
وقت سحر وقت مناجات ہے	خیز دریں وقت کی برکات ہے
باتن تنہا کہ روی زیر خاک	نیک عمل کن کہ وہی سات ہے
باہمہ دم ہمدم ابرار شو	صحبت شیراز بڑی بات ہے
پند شکر گنج بدل و جاں شنو	ضایع مکن عمر عزیزات ہے

منقول از کتاب مفتاح الصلوٰۃ تالیف حضرت فتح محمد قدس سرہٗ۔ کاتب شیخ میراں عرف دیوانجی، تاریخ بست و ہفتم مکتوبہ ۱۱۹۸ ہجری

[3] دیکھو قدیم اردو کی ایک نایاب بیاض" از سخاوت مرزا صاحب رسالہ اردو اکتوبر ۱۹۵۰ء

جب شہ فرضی بند کرادے گھر تیرے	توں بھی شہ کوں بند کر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
بندوری میں کئی کرمات دیکھائی	بازی میری مات ہے کس آنکھوں مائی
آسا مجھ برد کا پیہ کھیل دن جاتی ؟	سرور کا ساشاہ بترا میں سد ہیراتی ؟
زدہ کھیل نہ کھیل توں شہ اپنی سیتی	اے منسوبہ کھیل تے ہار نہیں کیتی
گر فیل بسات کوں سب سات جلاوں	پاؤں پیادے ہوں بھروں جو شہ رچاوں
بازی جاوے فرید کی کس آنکھوں ساکے	صدقے نبی رسول کے جن قائم راکھے

ان اقوال کے متعلق بعض اصحاب نے شبہ ظاہر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ بابا فرید (مساہر گورو بابا نانک) کے اقوال کو جلا دیا گیا ہے۔ شیخ باجن نے جو آٹھویں صدی کے بزرگ ہیں اپنی کتاب "خزانۂ رحمت" میں ان کے تین قول نقل کیے ہیں جو ہماری رائے میں مستند معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔
راول دیول ہمے نہ جایئے	بچھاٹا پہنہ روکھا کھایئے
ہم درویشنہ اہے ریت	پانی لوریں اور مسیت

۲۔ جس کا سائیں جاگتا سو کیوں سوے داس

۳۔ دوہرہ :

آودلد ہو ساتھر وایویں بجہ کریں	مول سنبھالیں آپنا باچھیں لایا لینہ

حضرت شیخ شکر گنج کا سنہ ولادت ۵۶۹ھ / ۱۱۷۳ء اور سنہ وفات ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء ہے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مُرید و خلیفہ تھے اور پاک پٹن میں قیام تھا۔

شیخ حمید الدین ناگوری

حضرت شیخ حمید الدین ناگوری ولادت ۵۹۰ھ / ۱۱۹۳ء اور سنہ وفات ۶۷۳ھ / ۱۲۷۴ء کا ایک واقعہ خود ان کی زبانی سرور الصدور میں یوں لکھا ہے :

"شیخ بزرگ (شیخ حمید الدین ناگوری) فرمودند اگرچہ جدّۂ شما سبب بیان می کند ولیکن ہمہ از کرامت است۔ وقتے پیش ایشاں می گزشتم

خورد بودم وایشاں برکھٹ بودند ہمیں کہ نزدیک ایشاں رفتم دست بگرفتند و بزبان ہندی گفتند می دانی جد تو کیست، گفتم بی بی۔ چگونہ، گفت از جد تو ہیچ کس بجز پیغمبرش بزرگ نیست۔[1]

خزانۂ رحمت میں لکھا ہے کہ ایک روز شیخ حمید الدینؒ فقر و فاقہ سے تنگ آکر اپنی ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اپنے فرزند کے حق میں فراخیٔ معاش کے لیے دعا کیجیے۔ انھوں نے فرمایا کہ ماں اپنے فرزند کے حق میں فراخیٔ معاش نہیں چاہتی۔ اگر تم فراخیٔ معاش چاہتے ہو تو اپنے باپ سے کہو۔ چنانچہ یہ باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہی عرض کی۔ فرمایا "ہاں بابا کچھ کچھ"۔ انھوں نے ماں کے پاس حاضر ہو کر کہا کہ حضرت والد نے یہ فرمایا ہے۔ والدہ نے کہا بابا تم اپنا گھر الگ بنا لو پھر دیکھو کیا ہوتا ہے، اتنی دولت آئے گی کہ سمیٹے نہ سمٹے گی۔

کچھ دن کے بعد سلطان نے پیغام بھیجا کہ صاحبزادہ کو ہمارے پاس بھیج دیجیے ہم اس کا عقد اپنی بیٹی سے کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت نے بیٹے کو اجازت دے دی۔ عقد کے بعد دُلہن اتنی دولت مال و اسباب لائی کہ سنبھالے نہ سنبھلتی تھی۔ والدہ نے بیٹے سے کہا کہ اچھا ہوا کہ کچھ کچھ کہا، اگر کچھ زیادہ کہتے تو نہ معلوم کیا ہوتا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ان بزرگوں کے گھروں میں بھی ہندی بول چال کا رواج تھا اور چونکہ یہ ان کے مفید مطلب تھا اس لیے وہ اپنی تعلیم و تلقین میں بھی اسی سے کام لیتے تھے۔

اس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ زبان جسے ہندی کہتے تھے اور جو باوجود تغیر و تبدل کے کچھ مدت قبل تک ہندی کہلاتی رہی ہے اور اب اُردو کے نام سے موسوم ہے کس طرح ہمارے ملک میں اندر باہر چھائی ہوئی تھی۔

---

[1] سرور الصدور صفحہ ۲۲

شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ

حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتیؒ (وفات ۷۲۴ھ/۱۳۲۳ء) بڑے صاحب جلال اور صاحب اثر بزرگ ہوئے ہیں۔ جب علاؤ الدین خلجی اپنے چچا جلال الدین خلجی کو قتل کر کے تخت و تاج پر قابض ہوا تو اس نے اپنی اس سفاکی پر پردہ ڈالنے کے لیے لشکریوں نیز دوسروں کو اپنی داد و دہش سے خوش کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت اس کے مصاحبوں نے کہا کہ حضرت بو علی قلندرؒ کو خوش کرنا بہت ضروری ہے، اگر ان کی نظر آپ کی طرف سے پھری رہی تو رعایا میں ہر دلعزیزی حاصل کرنی دشوار ہوگی۔ علاؤ الدین نے چاہا کہ اپنی طرف سے کسی کو ان کی خدمت میں بھیجے لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ آخر امیر خسروؒ اس کام پر متعین ہوئے انھوں نے گا بجا کر حضرت کو خوش کر لیا۔ اس کے بعد حضرت نے بھی اپنا کچھ کلام سنایا جسے سن کر امیر خسروؒ بہت آبدیدہ ہوئے۔ حضرت نے فرمایا "ترکا کچھ سمجھدا ہے" امیر خسروؒ نے کہا اسی لیے تو روتا ہوں کہ کچھ نہیں سمجھتا۔

صاحب فرہنگ آصفیہ لکھتے ہیں کہ "ہجری ساتویں صدی بعہد محمد تغلق شاہ و علاؤ الدین خلجی جس زبان کا رواج تھا اس کی اس دوہے سے جو حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ صاحب کی زبان مبارک سے مبارز خاں صاحب کے ارادۂ سفر کے موقع پر نکلا، کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روے
بدھنا ایسی رین کو بھور کدھی نہ ہووے

اسی مضمون کو آپ نے فارسی میں اس طرح ادا کیا ہے۔

من شنیدم یار من فردا رود راہ شتاب
یا الٰہی تا قیامت بر نیاید آفتاب

امیر خسروؒ سلطان الاولیا شیخ نظام الدین (ولادت سنہ ۶۳۴ھ / ۱۲۳۶ء وفات سنہ ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء) سلسلۂ چشتیہ میں عجب صاحب کمال، وسیع مشرب، صاحب دل اور صاحب ذوق بزرگ گزرے ہیں۔ ہر ملّت و مشرب کے لوگ ان کے ہاں حاضر ہوتے اور ان کے عرفان و زندہ دلی سے فیض پاتے تھے۔ انھوں نے کئی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور بعض بادشاہوں نے ہر چند یہ چاہا کہ وہ ان کے دربار میں حاضر ہوں اور اس معاملے میں سختی سے پیش آئے مگر شیخ نے مطلق پروا نہ کی اور آخر ان جبار بادشاہوں کو نادم ہونا پڑا اور کسی کی مجال نہ ہوئی کہ ان پر ہاتھ ڈالے۔ آپ سماع کے بہت شائق تھے اور ہندی راگ کی بہت سرپرستی فرماتے تھے۔ ہندستان کے اکثر اولیاء اللہ نے ہندی موسیقی کو بھی اپنی سرپرستی سے بڑی ترقی دی اور اس میں خاص ذوق اور کمال حاصل کیا۔ چنانچہ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ اور شیخ بہاؤالدین برناوی وغیرہ اس فن میں بڑے کامل گزرے ہیں۔ امیر خسروؒ کو بھی سلطان الاولیا ہی کی درگاہ سے فیض پہنچا تھا۔ وہ ان کے خاص مریدوں میں سے تھے اور اکثر ان کے نغموں کو سن کر محظوظ ہوتے تھے۔ امیر خسروؒ نے موسیقی میں جدّتیں دکھائی ہیں اور فارسی اور ہندی موسیقی کو ملایا ہے۔ اور زیادہ تر غالباً یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ہندی میں نظمیں اور دوہے لکھے۔ افسوس ان کا ہندی کلام اب تک دستیاب نہیں ہوا۔ تذکروں میں کہیں کہیں بعض چیزیں مل جاتی ہیں۔ میر تقی میرؔ نے اپنے تذکرۂ نکات الشعرا میں اُن کا یہ قطعہ لکھا ہے۔

زر گر پسرے چو ماہ پارا - کچھ گھڑیے سنواریے پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست - پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

ریختہ اسی کا نام ہے جس میں فارسی ہندی دونوں ملی ہوئی ہیں اور یہیں سے اردو کی ابتدا ہوتی ہے۔

ایک مشہور غزلِ ریختے کی ان کے نام سے تذکروں میں ملتی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں:

زحالِ مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روزِ وصلش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کوں جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جا سنا دے پیارے پی کو ہماری بتیاں
چوں شمع سوزاں چوں ذرہ حیراں ز مہر آں ماہ گشتم آخر
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آوے نہ بھیجے بتیاں
بحق روزِ وصال دلبر کہ داد ما را فریب خسرو
پسیت من کے درائے راکھوں جو جائے پاؤں پیا کے کھتیاں

اس کے علاوہ بیسوں پہیلیاں انملیاں اور کہ مکرنیاں وغیرہ ان کے نام سے مشہور ہیں جن کی صحت کا اس وقت کوئی معتبر ذریعہ نہیں۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ انھیں کی ہیں تو صدہا سال سے لوگوں کی زبان پر رہنے سے ان کے الفاظ اور زبان میں بہت کچھ تغیر ہو گیا ہے اور بظاہر یہ اُس وقت کی زبان نہیں معلوم ہوتی مثلاً

بالا تھا جب سب کو بھایا   بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس ناؤں   بوجھے نہیں تو چھوڑو گاؤں
(چراغ)

دس ناری ایک ہی نر   بستی باہر واکا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم   منھ میٹھا تاثیر گرم   (خربوزہ)

لیکن اُن کے فارسی کلام میں بہت سے ہندی لفظ بے تکلف استعمال

ہوئے ہیں اور ان کی مثنوی تعلق نامہ "ہے ہے تیر مارا"، کا جُملا اُس وقت کی ہندوی یا دہلوی زبان کی شان کو بتاتا ہے۔ کاش ہمیں ان کا کچھ ایسا کلام مل جاتا تو بہت سی گتھیاں سلجھ جاتیں ۔

شیخ لطیف الدین دریا نوشؒ

خزانۂ رحمت تصنیف حضرت رحمت اللہ میں لکھا ہے یہ خلیفہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے تھے ۔ ایک روز جب انھیں یہ خبر ملی کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ نے ہفت اقلیم کو اپنے خلفاء میں تقسیم کر دیا ہے تو انھیں خیال ہوا کہ ہم کبھی تو حضرت کے خلیفاء میں سے ہیں ۔ آج ہم کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے ۔ اس کے بعد وہ والدہ کے پاس آئے اور کہا کہ آج حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ بہت خوش وقت ہیں ، اگر اجازت ہو تو میں کبھی حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں اور جو مانگوں پاؤں اور سُرخرو ہوں ۔ ان کی والدہ اس بات سے بہت خوش ہوئیں اور اپنے سر کا دوپٹہ بیٹے کے سر پر لپیٹ دیا اور کہا بابا جاؤ سرخ رو ہوگے اور جو مانگو گے ملے گا۔ شیخ لطیف الدین آستانۂ شیخ نظام الدین اولیاؒ پر حاضر ہوئے ۔ اُس وقت حضرت شیخ تخت پر بیٹھے وضو فرما رہے تھے اور تمام خلفاء ان کے تخت کے گرد کھڑے تھے کہ اتنے میں شیخ لطیف الدین پہنچے، حضرت کو دیکھتے ہی سر زمین پر رکھ دیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا آؤ آؤ لطیف الدین اچھے وقت آئے ۔ میں تمہارا ہی منتظر تھا ۔ مانگو جو مانگنا چاہتے ہو۔ تین بار یہی فرمایا، شیخ لطیف الدین پھر سر بسجود ہوئے اور عرض کیا "گنجے و فقیری"، شیخ نظام الدین اولیاؒ بہت خوش ہوئے اور وضو کا پانی جو طشت میں تھا عطا فرمایا۔ اور شیخ لطیف الدین کے دونوں کان پکڑ کر فرمایا کہ لطیف الدین دریا نوش تو نے کیا عمل کیا تھا جو یہ توفیق پائی ۔ عرض کیا کہ میں نے کوئی عمل نہیں کیا۔ البتہ

والدہ سے اجازت طلب کی کہ آج کے دن حضرت شیخ بہت خوش ہیں اور بخششیں فرما رہے ہیں ۔ اگر اجازت ہو تو میں کبھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں اور سُرخروئی پاؤں ۔ والدہ نے خوش ہو کر اپنے سر کا دوپٹا فقیر کے سر پر لپیٹ دیا اور کہا بابا جا تو سُرخ رو ہوگا، اور جو طلب کرے گا پائے گا ۔ یہ میرا عمل تھا ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ وہ دوپٹا لاؤ ۔ شیخ لطیف الدین نے دوپٹا اپنے سر سے اُتار کر حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا ۔ حضرت نے خادم کو بُلا کر فرمایا کہ رحلت کے وقت میرے کفن میں یہ دوپٹا رکھنا ۔

حضرت شیخ لطیف الدین کے گھر کی یہ حالت تھی کہ سرکی جو دہلی میں ہوتی ہے اور ٹٹی کے لیے موزوں خیال کی جاتی ہے وہ شہر سے لاتے اور اس سے اپنا گھر بناتے۔ سرما گرما برسات، سب موسم اِسی سِرکی میں گزارتے ۔ جب یہ پُرانی ہو جاتی اور آندھیوں میں اُڑ جاتی تو پھر دوسری سِرکی لے آتے ۔ اگر کوئی کہتا کہ آپ مستقل گھر کیوں نہیں بنا لیتے تو جواب میں فرماتے :

آرے آرے بابا ہمے بنجارے
کیا گھر کرتے ہیں بنجارے

خزانۂ رحمت میں وفات کی تاریخ "بست و یکم ماہ صفر"، لکھی اور کتاب کے آخر میں جو باب وفیات ہے اُس میں غرہ ماہ صفر تحریر ہے ۔ سنہ نہیں لکھا ۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ حضرت شیخ نظام الدینؒ کے خلفاء میں سے تھے اور یہ ساتویں صدی ہجری کا زمانہ تھا ۔

شیخ سراج الدین عثمان

تاریخ فرشتہ میں منقول ہے کہ شیخ سراج الدین عثمان معروف بہ اخی سراج (وفات سنہ ۷۵۸ھ / ۱۳۵۶ء) جو سلطان الاولیا کے مرید اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ

کے خلیفہ تھے بعد وفات سلطان الاولیا بنگالہ سے دہلی آئے اور حضرت چراغ دہلوی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ خواجہ نے فرمایا کہ بنگالہ جاؤ انھوں نے کہا وہاں پہلے سے شیخ علاؤ الدین تل موجود ہیں اور مرجع خلائق ہیں۔ وہاں میرے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر خواجہ صاحب نے فرمایا "تم اوپر وہ تل"

شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ

اسی زمانے کے ایک بزرگ اور صوفیٔ کامل شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ہیں (ولادت سنہ ۶۶۲ھ/۱۲۶۳ء وفات سنہ ۷۸۲ھ/۱۳۸۱ء) منیر بہار کا ایک قصبہ ہے اور اسی سے منسوب ہیں۔ پوربی اور ہندی بھاشا کے شاعر تھے۔ اب تک ان کے بتائے ہوئے منتر سانپ، بچھو اور سایہ کے اُتارنے اور دفع امراض اور جھاڑ پھونک کے لیے پڑھتے ہیں جن کے آخر میں ان کی دُہائی ہوتی ہے۔ پروفیسر شیرانی نے اپنی کتاب میں مولوی محبوب عالم صاحب کی بیاض سے ایک کچ مندرہ نقل کیا ہے۔ میرے ایک دوست کو بھی اسی قسم کا سانپ کے زہر اُتارنے کا منتر یاد ہے اور وہ اس کے عامل ہیں۔ اسی قسم کی بات ہے اور وہی شاہ صاحب کی دُہائی ہے۔ ان منتروں اور کچ مندروں سے اس زمانے کی پوربی بولی کا کچھ یوں ہی سا اندازہ ہوتا ہے البتہ اس میں دو دوہرے ایسے آگئے ہیں جو ضرور قابل لحاظ ہیں۔ وہ یہ ہیں:

کالا ہنسا نہ ملا بسے سمندر تیر
پنکھ پسارے یکہ ہرے نرمل کرے سریر
درد رہے نہ پیڑ
شرف حرف مائل کہیں درد کچھ نہ بسائے
گرد چھوئیں دربار کی سو درد دور ہو جائے

حضرت شاہ برہان الدین غریب

حضرت نظام الدین اولیاؒ کا فیض

ہندستان میں دور دور پہنچا ہے۔ حضرت شاہ بُرہان الدین (وفات سنہ ۷۳۸ھ/۱۳۳۷ء) جو بُرہان الدین غریب کے نام سے مشہور ہیں آپ کے اکابر خلفا میں سے ہیں۔ جس وقت سلطان محمد تغلق نے دولت آباد کو ہندستان کا دار السلطنت بنایا اور ساری دلّی کو اجاڑ کر یہاں لا بسایا تو اس وقت شیخ برہان الدین اور سلطان جی کے بہت سے خلفا اور مرید دولت آباد آئے۔ دکن کی خلافت شیخ بُرہان الدین اور ان کے بڑے بھائی منتخب الدین کو عطا ہوئی۔ یہ لوگ یہیں رہ گئے اور یہیں انھوں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

حضرت سید علاء الدین ضیا چشتی (دولت آبادی) کے احوال میں یہ منقول ہے کہ جب سلطان جی نے حضرت برہان الدین غریب کو دکن جانے کا حکم دیا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میری پیر زادی دولت آباد میں قیام فرما ہیں ان کی خدمت میں سرگرم رہنا" اس سے مراد حضرت بیوی عائشہ بابا فرید شکر گنجؒ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ بیوی عائشہ کی ایک بیٹی تھیں جو بہت بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ ایک بار جو آپ حسب معمول بعد نماز جمعہ حاضر ہوئے تو ان کی نگاہ اس لڑکی پر پڑی اور ان کو دیکھ کر متبسّم ہوئے۔ بیوی عائشہ نے بہ زبان ملتانی فرمایا:

"اے برہان الدین! اساڈی دھیہ کر کہیا ہنسدا ہے" یعنی اے برہان الدین! تو ہماری لڑکی کو دیکھ کر کیوں ہنستا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ بزرگ مقامی اور وطنی بولیوں کو بلا تکلّف بولتے تھے اور اس کے استعمال سے کبھی عار نہ کرتے تھے بلکہ ان کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔

حضرت گیسو دراز بندہ نوازؒ

سلطان جی کا یہ فیض دکن میں ایک اور

ذریعہ سے بھی پہنچا ہے۔ حضرت کے بہت بڑے خلیفہ اور جانشین شیخ نصیر الدینؒ چراغ دہلی تھے، سلطان جی انھیں بوجہ کثرت فضل و دانش "گنج معانی"، کہا کرتے تھے۔ انھیں کے خلیفہ و مرید سید محمد ابن سید یوسف الحسنی الدہلوی (وفات سنہ ۸۲۵ھ) تھے جو گیسو دراز کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ اپنے پیر و مرشد کی وفات کے بعد جب سنہ ۸۰۱ھ/۱۳۹۸ء میں گجرات کے رستے مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے دکن روانہ ہوئے تو شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے بہت سے مرید ان کے ہمراہ ہو لیے اور اس قافلہ کے ساتھ سنہ ۸۱۵ ہجری میں حوالی حسن آباد گلبرگہ میں فائز ہوئے وہ زمانہ فیروز شاہ بہمنی کا تھا۔ بادشاہ کو جب فیروز آباد میں آپ کے آنے کی خبر ہوئی تو تمام ارکان و امرائے دولت اور اپنی اولاد کو ان کے استقبال کے لیے بھیجا، بادشاہ کا بھائی احمد خاں خانخاناں جو بعد میں اس کا جانشین ہوا، ان کا بہت بڑا معتقد ہو گیا تھا۔ آپ نے اپنی بقیہ زندگی یہیں بسر کی اور سرزمین دکن کو اپنی تعلیم و تلقین سے فیض پہنچاتے رہے۔

حضرت صاحب علم و فضل اور صاحب تصانیف بھی ہیں۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو حدیث اور تصوف اور سلوک کا درس دیا کرتے تھے اور گاہے گاہے درس میں کلام و فقہ کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ جو لوگ عربی فارسی سے واقف نہ تھے اُن کے سمجھانے کے لیے ہندی زبان میں تقریر فرماتے تھے۔

مجھے ایک قدیم بیاض ملی ہے جس میں بیجاپور کے مشہور صوفی خاندان کے بزرگوں کے نظم و نثر کے رسالے اور اقوال جو زیادہ تر ہندی زبان یعنی قدیم اُردو میں ہیں، اس خاندان کے کسی معتقد نے بڑے اہتمام و احتیاط سے جمع کیے ہیں۔ اس کا سنہ کتابت ۱۰۶۸ ہجری ہے۔ چونکہ اس خاندان کے بزرگوں کو حضرت

بندہ نواز گیسو درازؒ سے نسبت ہے اس لیے ان کا بھی ایک آدھ رسالہ اور بعض اقوال وغیرہ اس میں پائے جاتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک مثلث بھی ہے جو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

او معشوق بے مثال نور نبی نہ پایا
اور نور نبی رسول کا میرے جیو میں بھایا
اسمیں اپیں دکھاونے کیسی آرسی لایا

حضرت گیسو دراز صاحب تصانیف کثیرہ تھے، یہ زیادہ تر فارسی میں ہیں اور بعض عربی میں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ انھوں نے عام لوگوں کی تلقین کے لیے بعض رسالے اپنی زبان میں بھی لکھے۔ ان کا ایک رسالہ "معراج العاشقین" میں مرتب کر کے شایع کر چکا ہوں۔ اس کا سنہ کتابت ۹۰۶ ہجری ہے۔ اس کی زبان کا نمونہ ہے۔

اے عزیز! اللہ بندہ بنا یہاں پچھان کو
جانا، نیں تو شرع جاتا ہے۔ اوّل اپنی
پچھانت بعد از خدا کی پچھانت کرنا"

"انسان کے بوجنے کوں پانچ تن۔ ہر ایک تن کوں پانچ دروازے ہیں ہور پانچ دربان ہیں۔ پہلا تن واجب الوجود، مقام اس کا شیطانی۔ نفس اس کا امّارہ یعنی واجب کی آنک سوں غیر نہ دیکھنا سو، حرص کے کان سوں غیر نہ سننا سو، حسد نک سوں بدبوئی نا لینا سو، بغض کی زبان سوں بدگوئی نہ کرنا سو، کینا کی شہوت کوں غیر جاگا خرچنا سو۔ پیر طبیب کامل ہونا، نبض پہچان کوں دوا دینا۔"

علاوہ اس رسالے کے میرے پاس آپ کے متعدد اور رسالے اس زبان میں ہیں، تلاوت الوجود، دڑالاسرار، شکار نامہ، تمثیل نامہ، ہشت مسائل

وغیرہ اگرچہ زبان ان کی قدیم ہے لیکن یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انھیں کی تصنیف ہیں، یا ان سے منسوب ہیں۔ بیاض مکتوبہ ۱۰۶۸ھ کے علاوہ دو اور بیاضوں میں ان کی ایک غزل قدیم طرز ریختہ میں ملی ہے جس کی نسبت یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ انھیں کی ہے۔ البتہ مقطع میں تخلص انھیں کا ہے۔ وہ یہ ہے۔

توں تو صحی ہے لشکری کر نفس گھوڑا اسار توں
ہووے نرم نہ تجھ اور چڑے لس کھائے گا آزار توں
سنچیج گھوڑا زور ہے خود خیال اس کا ہو رہے
تن لوٹنے کا چور ہے نہ چھوڑ اس بد سٹھار توں
گھوڑے کوں بھیتر کھوڑ ہے اس کوں نہ حکمت ہو رہے
ہر دم ذکر سوں توڑ ہے غافل نہ ہو ہشیار توں
کر دسکلا دل گیان کا انعام دے خوش دھیان کا
چارا کھلا ایمان کا رکھ باند اپنے دار توں
خوگیر شریعت نعل بند زیں ہے طریقت زیر بند
حق ہے حقیقت پیش بند تنگ معرفت اختیار توں
دو ہے رکاباں نیک بد رکھنا قدم توں دیکھ حد
کچھ ہو پڑے گا دیکھ تب توبہ کی چابک مار توں
تب قید گھوڑا آئے گا تجھ لامکاں لے جائے گا
تب عشق جھگڑا پائے گا خُد مارلے تر وار توں
شہبازؔ حسینی کھوئے کر ہر دو جہاں دل دھوئے کر
اللہ آپے یک ہوئے کر تب پاوے گا دیدار توں

آپ سے بعض راگ راگنیاں بھی منسوب ہیں۔ مثلاً ایک راگ رام کلی میں فرمایا۔

مخفی ناؤں معشوق رکھ ظاہر شہبازؔ کہلائے
عشق کے جینی چند بند اپنی آپ دکھائے

دوسری راگنی میں

سوئے عاشق شہباز ہے دو ہوں جگ کھلا را
خواجہ نصیرالدین سائیاں پنت راکھے ہمارا

پہلی بیت میں صرف تخلص ہے۔ دوسرے میں اپنے پیر کا نام بھی لیا ہے۔ ذیل کے تیسرے راگ میں آپ کا تخلص نہیں بلکہ پیر و مرشد کا نام اور اپنا پورا نام لکھا ہے۔

خواجہ نصیرالدین جنے سائیاں پیو بنائے جیو کا گھونگھٹ کھول کر پیا مکہ آپ دکھائے
رکھے سید محمد حسینی پیو سنکھ کھیاں جائے[1]

یہ صوفی بزرگ ہندستان کے ہر صوبے اور خطے میں پھیلے ہوئے تھے۔ اسی زمانے کے قریب ہم گجرات میں شیخ احمد کھٹو، حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ عالم کے نام پاتے ہیں جو وہاں مرجع خلائق تھے۔

شیخ احمد کھٹوؒ

شیخ احمد کھٹو سرخیزی (احمد آباد) متوفی ۸۴۹ھ۔ شیخ کے حالات و ملفوظات میں دو کتابیں ہیں جو ان کے عقیدت مند مریدوں نے لکھی ہیں:

۱۔ مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول۔ از مولانا قاسم
۲۔ تحفۃ المجالس از محمود بن سعید

شیخ کا فارسی کلام ان کتابوں میں کہیں کہیں ملتا ہے۔ احمدؔ تخلص تھا۔ مرقاۃ الوصول میں گوجری کے بعض اشعار پائے جاتے ہیں، اس کے متعلق

[1] "قدیم اردو کی ایک نایاب بیاض"، رسالہ اردو اپریل ۱۹۵۰ء

قیاس ہے کہ وہ شیخ کے ہیں جو ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں - ایک دفعہ ایک شخص نے یہ دوھرہ پڑھا :

تو جانتہ کرتار جی منجہ ساجن بیپرہ — سائیں سرسی سار کروں تمہاری بالیہا

بندگی مخدوم درحال بریں نسق فرمودند

تو جانتہ کرتار جی منجہ سائیں بیپرہ — سائیں کی ہی سار منجہ مانہ جومن بسنہ

ایک دفعہ ایک کنیز آنکھوں میں سرمہ ڈال کر شیخ کے سامنے آئی - شیخ نے اس وقت غضب میں آکر یہ دوھرہ کہا :

دو کھا کاجل جی کروں تو سوکن دکھ دینہ — نہ پیو دیکھن دینہ مجھ نہ آپ دیکھ سکینہ

ایک شخص نے یہ مصرع کہا :

بھولی بدجھوں بندتا دوراں کسی ماس

اور عرض کیا کہ اس کی مناسبت سے کچھ فرمایئے - شیخ نے فوراً دوھرہ کہا :

دیتی بجھتیں ایک پل جانوں برس پچاس — جی کن دیکھ دلیس کی برسنہ انت نہ ماس

حضرت قطب عالم وحضرت شاہ عالم

سید برہان الدین ابومحمد عبداللہ المشہور بہ قطب عالم ابن سید ناصر الدین ابن سید الاقطاب مخدوم جہانیاں بخاری ۷۹۰ھ / ۱۳۸۸ء میں پیدا ہوئے اور ۸۵۰ھ / ۱۴۴۶ء میں وفات پا گئے - دس سال کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا - ان کے حقیقی چچا اور مخدوم جہانیاں کے مرید وخلیفہ سید راجو قتّال ان کی پرورش وتربیت کے متکفّل ہوئے - دو سال بعد ۸۰۲ھ / ۱۴۰۰ء میں اپنی والدہ کے پاس پٹن میں آگئے - سلطان احمد گجرات کا بادشاہ ان کی بڑی تعظیم وتکریم کرتا تھا اور جب اس نے احمد آباد بسایا تو پٹن سے احمد آباد آ گئے بعد ازاں موضع بٹوہ میں قیام فرمایا اور وہیں انتقال کیا۔ اس موضع کے قیام کے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک روز شب کو نماز تہجد کے لیے اُٹھے، صحن

میں ایک لکڑی پڑی ہوئی تھی اس سے ٹھوکر لگی ، پانو میں چوٹ آئی اور خون بہنے لگا - اس وقت آپ کی زبان سے یہ کلمہ نکلا " لوہا ہے کہ لکڑی ہے کہ پتھر ہے"[1] "چشتیوں نے پکائی بخاریوں نے کھائی"[2]

ایک دوسرا واقعہ یوں مذکور ہے کہ جب آپ کے فرزند سید شاہ محمود معروف بہ شاہ بڈھ کے ہاں شاہ راجو پیدا ہوئے (جو اپنے اور بھائیوں سے چھوٹے تھے) تو جس وقت ان کے تولد کی خبر آپ کو پہنچی تو شاہ محمود سے جو سامنے بیٹھے تھے فرمایا " بھائی محمود خوش ہو اساں تھیں وڈا تساں تھیں وڈا ساںڈے گھر جلال جہانیاں آیا"[3] (یعنی ہم سے بڑا اور تم سے بڑا ہمارے گھر ۔۔۔۔ آیا) -

ان کے فرزند اور خلیفہ حضرت شاہ عالم فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت قطب عالم کے حجرۂ مشغولی میں جا پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ سخت بے چین اور مضطرب ہیں اور دیوار پکڑے سارے حجرے میں پھر رہے ہیں اور یہ ہندی کلمات زبان پر جاری ہیں -

" محمدؐ پریں کھڑیا سائیں پریم چکھائے " (جمعات شاہیہ)

حضرت سراج الدین ابوالبرکات سید محمد مشہور بہ شاہ عالم حضرت شاہ قطب عالم کے فرزند اور خلیفہ تھے - ان کے ایک مُرید نے ان کے اقوال وملفوظات ایک کتاب میں جمع کیے ہیں جس کا نام جمعات شاہی ہے - اس میں حضرت قطب عالم و شاہ عالم وغیرہ کے متعدد اقوال ہندی اور گجراتی میں پائے جاتے ہیں - ان میں سے چند نقل کیے جاتے ہیں - ایک موقع پر فرمایا :

(۱) کاندھی کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے
سکیں کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے

[1] تحفۃ الکرام صفحہ ۱۷ [2] تحفۃ الکرام صفحہ ۱۷ [3] تحفۃ الکرام صفحہ ۱۸

فرمودند اگرچہ بزبان ہندی است امّا موافق عربی ست ۔

(۲) ایک روز فرمایا کہ حضرت قطبیہ کے عہد میں میرے سر پر کچھ دیوانگی سی سوار تھی جو کوئی کچھ سوال کرتا تو خدا سے دعا کرتا اور ہر ایک کا حال برملا کہہ دیتا ۔ کسی سے کہتا کہ تیری عمر اس قدر باقی ہے کسی سے کہتا تیرے بیٹا ہوگا اور کسی سے کچھ کسی سے کچھ ۔ فرماتے ہیں کہ بعد وصال حضرت قطبیہ (قطب عالم) نے یہ بات میرے دل میں ڈالی ۔

" ابے چھوکرا، بے ادبی بگزار و گستاخی مکن "

فرماتے ہیں کہ کسی نے ذکر کیا ہے کہ سقایہ میں خدا کا نام نہیں لینا چاہیئے ۔ میں نے آہستہ سے کہا کہ اس کا کیا کروں حق تعالیٰ خود مجھے نہیں چھوڑتا ۔ بادشاہ گھوڑے پر سے نہیں اُترتا گھوڑا بچارا کیا کرے ۔

اتیو بدو برکھویا کیں اکھارے
ہوں لاج مردں بیگ نیارو نہوے

ایک روز حضرت شاہ عالم گھڑبہل میں سوار جا رہے تھے اور میاں مخدوم شاہ (احمد) بھی ہمرکاب تھے ۔ سُلطان شاہ غزنی قدس سرہٗ جو سلاطین گجرات کے اعزہ میں سے تھے گھوڑے پر سے اُترے اور سلام آداب کچھ نہ کیا ۔ میاں مخدوم نے کہا کہ حضرت آپ نے اس جوان کے غرور و کبر کو ملاحظہ فرمایا ۔ آپ نے ہندی زبان میں ارشاد کیا ۔

" ارجن جی کا او نہ بھایا ہوئے تو تجھ سے فقیروں کی برسوں تین کنّا سی کرے "[1]

ایک روز سید محمد راجو قتال کے مناقب کا ذکر آیا ۔ یہ سید الاقطاب

---

[1] تحفۃ الکرام صفحہ ۱۴۱

[م]خدوم جہانیاں کے چھوٹے بھائی اور حضرت قطب عالم کے چچا تھے ۔ ان کی والدہ [کا] نام جنت خاتون تھا ۔ حضرت مخدومیہ نے ان کے حق میں زبان اُچہ میں فرمایا :

" تُساں راجے ۔ اساں خواجے "

یعنی

تم بادشاہ اور ہم وزیر

[ح]ضرت سید محمد جونپوری

حضرت سید محمد جونپوری بہت بڑے بزرگ اور صاحب تصرّف گزرے ہیں ۔ ان کے مُرید اور [پی]رو انھیں " مہدی آخرالزماں " مانتے ہیں ۔ لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے ان کا [بہ]ت سا زمانہ سیاحت میں گزرا ۔ ان کے بعض اقوال فرقۂ مہدویہ کی کتابوں میں [ا]ب تک محفوظ ہیں ۔ ان میں سے چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں ۔ باوجود علم و فضل [کے] وہ اکثر ہندی یا گجراتی میں مخاطبت فرماتے تھے ۔

(۱) شیخ احمد کھٹو[1] کی نسبت آپ نے فرمایا " رو پیٹنے خدا کوں پونچے " یعنی یہ [گ]ریہ وزاری خدا رسید) (از تاریخ سلیمانی جلد اوّل)

(۲) خراسان کے سفر میں سلطان حسین کی فوج نے آپ کے اصحاب کو [تک]لیف دی اور جب سُلطان کو اس کی خبر پہنچی تو اس کی معذرت کی ۔ اس وقت [س]لطان کے سامنے یہ جملہ فرمایا " شہ کی چوٹ شکر کی پوٹ "

(۳) حج کے سفر میں یہ دوہرا فرمایا :

ہوں بلہاری سجنا ہوں بلہار
ہوں سرجن سہرا ساجن مجھ گل ہار (از شواہد الولایت)

---

[1] [شیخ] احمد کھٹو مشہور بہ گنج بخش بہت بڑے بزرگ اور شیخ وقت گزرے ہیں ۔ سنہ ۸۰۲ ہجری میں بعہد حکومت [ظ]فرخاں گجرات میں آئے سنہ ۸۴۹ ہجری میں انتقال فرمایا ۔ موضع کھٹو میں مدفون ہیں ۔ (تحفۃ الکرام صفحہ ۲۲ ۔ مراۃ احمدی صفحہ ۵)

(۴) رحلت سے کچھ پہلے یہ دوہرا ارشاد کیا۔

ہیرو تت[1] پکھال توں کان پر دھوئے مدھوئے
ادجھل ہو دیں نچھوت سی سکھ نندری ناسوئے

یہی دوہرا بیدر میں قاضی علاؤالدین بیدری کو مخاطب کرکے فرمایا تھا۔

(شواہد الولایت)

(۵)۔(۶) ذیل کے دو دوہرے مجھے اسرار عشق تصنیف عبد المومن تخلص مومن ۹۰۱ھ/۱۴۹۸ء کے ایک قدیم نسخے میں ملے ہیں جس کے سرورق یہ عبارت درج ہے:

"این کتاب مسمی باسرار عشق محض ابتدا تا انتہا شرح نقل مقدسہ سید محمد مہدی موعود است وسوائے این حرف نیست۔ نقل اینست کہ مہدی علیہ السلام فرمود" تمام عالم مصطفیٰ کے ولایت • کا صفت کرنے بیچ مُوا۔ ہمارے ملانے دو گوجری دھیان میں مصطفیٰ کی ولایت کی صفت کیے"

دوہرہ:

چندر کہے ترایں[2] کوں سورج دیکھو آئے
ایسا بھگونت جو بہیٹے دشت پاپ چھڑ جائے

دوہرہ دیگر:

تو روپ دیکھ جگ موہیا چند ترایں[3] بھان
انھیں روپ پہن ہوں کو وہی نہ ہوئے آن

این تمام کتاب شرح و تفسیر ہمیں دو دوہرہا است

---

[1] دہراتت [2] (نسخہ) ترامن [3] (نسخہ) ترامن

آپ کی ولادت سنہ ۸۴۷ھ/۱۴۴۳ء اور وفات ۹۱۰ھ/۱۵۰۴ء میں بہ مقام فراح (بلوچستان) واقع ہوئی ہیں مدفون ہوئے۔

شیخ بہاء الدین باجن

شیخ بہاء الدین الملقّب بہ باجن ابن حاجی معزالدین برہان پوری اولیاء اللہ میں سے تھے۔ اوّل حضرت شیخ عزیز اللہ المتوکّل علی اللہ سے بیعت کی اور اس کے بعد اُن کے فرزند حضرت مخدوم شیخ رحمت اللہ سے بیعت کی، اور جمیع مراتب سلوک کی تکمیل فرمائی۔ آپ کی ایک تصنیف "خزانۂ رحمت" ہے جس میں اپنے مرشد (شیخ رحمت اللہ) کے ملفوظات و ارشادات وکلمات واقوال مشائخ سلف جمع کیے ہیں۔ بقول صاحب تاریخ برہان پور اس زمانے میں جو ملک ہند کی طرز زبان تھی اُس طور پر کلمات شعر بہ مضمون تصوّف کبھی کبھی موزوں فرماتے تھے ..... ازاں جملہ یہ ہے پردۂ پوربی میں

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے
مندل من میں دھمکے رباب رنگ میں جھمکے
صوفی ان پر ٹھمکے
یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے[1]

"خزانۂ رحمت" کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ کتاب کا آخری باب حضرت کے ہندی اشعار یعنی جکریوں اور دوہروں پر مشتمل ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں "خزینۂ ہفتم در ذکر اشعار کہ مقولۂ این فقیر است بزبان ہندوی جگری خوانند قوالانِ ہند آنرا در پردہاے سرود می نوازند و می سرایند۔ بعضے در مدح پیر دستگیر و وصف وطن خود کہ گجرات است و بعضے در ذکر مقصد عشق و

---

[1] تاریخ برہان پور مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۰۳

"محبت دریں خزینۂ بالتفصیل جمع کردہ شد" نیز کتاب کے دوسرے ابواب میں بھی جگہ جگہ اپنے شعر لکھے ہیں۔ وہیں سے مندرجۂ ذیل اشعار نقل کیے جاتے ہیں اگرچہ آپ قدما میں سے ہیں اور اُسی زبان میں یہ اشعار لکھے ہیں جو اس وقت یعنی چھ سو برس پہلے عام طور پر بولی جاتی تھی۔ لیکن ان اشعار کی زبان بہت صاف ہے، اور بعض اشعار کی زبان تو بالکل آج کل کی سی معلوم ہوتی ہے، مثلاً

باجن دعا خدا اُس کی قبولے
کھاوے حلال اور ساچ بولے

خزانۂ رحمت کے ابتدائی اوراق میں جو حمد باری تعالیٰ ہے سورۂ قل ہو اللہ کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

تا اُنہ جنیا نہ وہ جایا — نا اُنہ مائی باپ کہلایا
نا اُنہ کوی گودہ چڑھایا — باجن سب اُنہ آپ پتایا
پرگٹ ہوا پر کہیں نہ ڈیٹھا آپ لُکایا

کاہی کوی دوسرا دیکھے جس کتی ہووے دور
باجن دوجن کوی ناہیں سب آپ ہی بھرپور

منزل منزل جہاں اُتروں سقا توں رکھ والا
پریم صراحی بھر کر دینے تیرے ہات پیالا

گھر آنگن میانے تو نہیں میری بات کا سنگا کتی
دنگ کرے تو بیٹھا اچھے الگ بھرتوں ساکتی

مسجد مسجد بانگا دیویں بُت خانہ تیرا زور
میخانے بھیتر رنگ کرے ایسا تیرا شور

جب لئی اپنے ہاتھ پلاوے — کھولے گھونگٹ مکھ دکھلاوے
تب باجن اُس پر واریا جاوے

باجن جس وہ کرے کرم — پاپ بھی ہووے ہووے دھرم

ہے کوی پنڈت یہ بات سمجھاوے — ایسا اُجالا کہاں کتی آوے
ہور یہ اندھارا کہاں چھپ جاوے

گوجری در مذمّت دُنیا:

یہ فتنی کیا کس ملتی ہے — جب ملتی ہے تب چھلتی ہے
اُن جھیل بہت جھلائے — ان دو کر بہوت رولائے
جو رہے اُسی کتی ٹارے — وہ جائیں نہ اس کتی پالے
یہ فتنی اکھوں نہ پاوے — چک پاس نا نہکی آوے
جے اس کوں کدھی نہ لوڑے — جو پلی تو تپتی چھوڑے
جے دیکھت اس کتی بھاگے — یہ نیلج اُن سوں لاگے الخ

آپ نے بعض اشعار ریختے میں بھی کہے ہیں:

عشق تو بست خیال دل من جیو را تجھ سوں لایا رے
باجن وصف تو دید نکارا تب کتی آپ گنوایا رے

عشقت راہ چو کردہ بر سر تن من آگ لگاوے رے

جلوں بلوں ہور بل بل جاؤں مجہ تجہ بن پل نہ سوہاوے رے

شیخ علیہ الرحمہ کی ولادت ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء میں ہوئی اور وفات ۹۱۲ھ/۱۵۰۶ء میں واقع ہوئی اور ایک سو بائیس برس کی عمر پائی - برہان پور کے شاہ بازار میں خاص اپنی خانقاہ میں مدفون ہوئے -

شیخ عبد القدوس گنگوہی

شیخ عبد القدوس گنگوہی (ولادت سنہ ۸۶۰ھ/۱۴۵۵ء وفات ۹۴۵ھ/۱۵۳۸ء) شیخ محمد بن شیخ احمد عبد الحق چشتی صابری کے مرید اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں - وہ ہندی کے شاعر تھے اور الکھ داس تخلص کرتے تھے - اُن کی ایک تصنیف "رُشد نامہ" ہے جس میں تصوف اور وحدت وجود کے نکات بیان کیے ہیں - اس میں جگہ جگہ ہندی دوہرے اپنی تصنیف کے لکھے ہیں، اس میں سے چند نقل کیے جاتے ہیں -

یہ جگ ناہیں باج پی بوجھ برہم گیاں   سو پانی سو بلبلا سوئی سرور جان
ایکی ادہو ایکی سرور ایکی ہانس   گرُ مکھ بوجھ برہم گیان ترلوک ایک کجان

دھن کارن پی آپ سنوارا   بن دھن سکھی کنت کنھارا
شہ کھیلے دھن ماہیں ایوان   باس پھول مہنن اچھے جیوان
کیوں نہ کھیلوں نج سنگ میتا   مجہ کارن تیں ایتا کیتا
الکھ داس آکھے سُن ہوئی   سوئی پاک ارنہ پہن ہوئی

جدھر دیکھوں ہے سکھی دیکھوں ہور نہ کوئے   دیکھا بوجھ بچار میں سبھی آپہی سوئے

ایک شعر "ریختہ" کے نام سے بھی لکھا ہے -

صدق رہبر صبر توشہ دشت منزل دل رفیق
ست نگری دھرم راجا جوگ مارگ

[دوسرے مصرعے کا مطلب - صدق درا ستی شہر ہے، اچھے کام حاکم، زہد و تقوٰی (ترکِ دنیا) راستہ ہے]

حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری

حضرت شاہ محمد غوث بہت بڑے بزرگ اور اہل اللہ میں سے تھے - شیخ وجیہہ الدین جیسے بلند پایہ عالم اور شیخ بھی ان سے ارادت رکھتے تھے - اگرچہ وہ مُرید شاہ قاون کے تھے مگر فیض روحانی انھیں شاہ محمد غوث ہی سے حاصل ہوا - مقصود المراد (ملفوظات سید ہاشم علوی) میں خود شاہ ہاشم (شیخ وجیہہ الدین کے بھتیجے) کی زبانی یہ لکھا ہے کہ شاہ وجیہہ الدین کی تربیت حضرت شاہ محمد غوث نے فرمائی اور علم حقایق سکھایا اور باوجودیکہ انھوں نے بائیس سال کی عمر میں ایک سو بیس علم تحصیل کیے لیکن خود شاہ صاحب (شاہ وجیہہ الدین) فرماتے تھے کہ اگر میں شیخ سے ملاقات نہ کرتا تو میں مسلمان نہ ہوتا اور پھر فرمایا کہ جو معرفت اللہ تمام عمر میں حاصل نہ ہوئی تھی وہ ایک شب میں حاصل ہو گئی -

اس کتاب میں شاہ صاحب کا ایک ہندی قول سید ہاشم کی زبانی بیان کیا گیا ہے -

"بھیکی بچہ خدا کو نہ میلے"

یعنی بھکاری کو خدا نہیں ملتا - ان کے بعض اور اقوال اور ہندی اشعار بھی میری نظر سے گزرے ہیں -

حضرت کا انتقال سنہ ۹۷۰ھ/۱۵۶۲ء میں آگرے میں ہوا، گوالیار میں دفن ہوئے۔
آپ کی عمر بقول بدایونی وفات کے وقت اسّی سال کی تھی۔

شیخ علی متقی

(ولادت ۸۸۵ھ - وفات ۹۷۵ھ) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے پیرومرشد۔ ان کا یہ ہندی دوہرہ شیخ نے اخبارالاخیار (صفحہ ۲۷۵) میں نقل کیا ہے۔

سُن سہیلی پریم کی باتا ۔ یوں مل رہئ جوں دودھ نباتا

شیخ عبدالحق نے اپنے پیرومرشد شیخ علی متقی کے حالات اور ملفوظات میں ایک کتاب زادالمتقین فی سلوک طریق الیقین لکھی ہے۔ اس کے صفحہ ۷/۴ (قلمی) میں لکھتے ہیں کہ:

شیخ عبداللہ مغربی ایک فقیہ اور صوفی شیخ کی خدمت میں حاضر تھے۔ انھوں نے ابن عطاء اللہ کی کتاب شرح حکم شیخ کی خدمت میں پیش کی۔ اس سلسلہ میں وحدت وجود کے مسئلے پر بحث چھڑی تو میں نے اُس پر گفتگو شروع کی۔ شیخ نے ہندی زبان میں فرمایا کہ یہ شخص خشک فقیہ ہے اور بڑا اکڑ ہے، اس کے سامنے ایسی باتیں نہ کہو۔

اسی کتاب میں شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ وہ (علی متقی) ہر شخص کے ساتھ اس کی زبان میں گفتگو کیا کرتے تھے، چنانچہ ہندیوں کے ساتھ ہندی میں بات چیت کرتے تھے۔

شاہ منصور مجذوب برہان پوری کے متعلق شیخ عبدالحق لکھتے ہیں کہ شیخ علی متقی جب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اپنی ہندی زبان میں شیخ سے کہا کہ "بھاکری پکانا مشکل ہے"۔ بھاکری اس ملک کی زبان میں جوار کی روٹی کو کہتے ہیں۔ (اخبارالاخیار صفحہ ۲۹۳)

شیخ رزق اللہ

(ولادت ۸۹۷ھ - وفات ۹۸۰ھ) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے چچا، صوفی بزرگ اور عارف باللہ تھے۔ فارسی میں شعر کہتے تھے اور مشتاقی تخلص کرتے تھے۔ ان کا ہندی کلام بھی تھا، اور اس میں ان کا تخلص راجن تھا ان کے ہندی کلام کے دو مجموعے پیمان اور جوت نرنجن ہیں۔ (اخبارالاخیار صفحہ ۱۷۴)

شیخ وجیہ الدین احمد علوی

شیخ وجیہ الدین احمد العلوی قدس سرہٗ بہت بڑے عالم اور صاحب باطن ہوئے ہیں۔ صاحب تصانیف ہیں۔ سنہ ۹۱۰ھ/۱۵۰۴ء میں محمدآباد (چانپانیر) میں پیدا ہوئے اور سنہ ۹۹۸ھ/۱۵۸۹ء میں انتقال فرمایا۔ آخر عمر میں احمدآباد میں درس و تدریس اور تعلیم و تلقین میں مصروف رہے۔ اگرچہ وہ اور ان کے خاندان کے دوسرے بزرگ شاہ قادن کے مرید تھے لیکن فیض روحانی اور معرفت الٰہی شیخ محمد غوث سے حاصل ہوئی۔ آپ کے مُریدوں نے آپ کے ملفوظات کتاب کی صورت میں جمع کیے ہیں جس کا نام بحرالحقایق ہے۔ اس میں جگہ جگہ ان کے ہندی اقوال درج ہیں۔ شیخ کے مرید اُن سے سوال کرتے ہیں اور وہ اس کا جواب دیتے ہیں۔ سوال تو فارسی میں لکھتے ہیں لیکن جواب خود شیخ ہی کے الفاظ میں ہندی میں تحریر کیے ہیں۔ یہاں چند مقام نقل کیے جاتے ہیں۔

لفظ: فرمودند کہ "جس چیز میں ذوق وشوق پاوے اسے ترک نہ دیوے"
یعنی در آں چیز یکہ صوفی ذوق وشوق یا بد آں را ترک نہ دہد۔ شخص گفت گر آں چیز متفق الحرمت باشد چہ کند؟ از و اعراض نمودہ فرمودند "بھونڈا ہوئے سونا کرے"

لفظ: عزیزے عرض کرد۔ بخانۂ دنیاداراں نروم۔ فرمودند۔

"کاہے دنیادار بھی اپنیچ"، یعنی اہل دنیا نیز ازما اند۔

لفظ: می فرمودند۔ طالبِ کشف نبایدشد۔

"اپنوں کوں کیا کشف ہوئے یا نہوئے کام اس کا ہے"

درحکایت کردن فرمودند" کیا ہوا جو بھوکوں مُوا۔ بھوکوں موے تیں کیا خداکوں اپنڑیا، خداکو انپڑنے کی استعداد ہور"۔

لفظ: کسے از ریاضت عرض کرد، فرمودند" میں کہاں یا کدھاں ریاضت کیتی"۔

لفظ: فرمودند" جیسی تجلی پکڑے تیسا ارادہ دیوے، اگر عبد کی تجلی پکڑے عبدیت ارادہ دیوے"۔

شیخ بہاؤالدین برنادی خاتم التارکین

شیخ بہاؤالدین برناوی خاتم التارکین اکبر وجہانگیر کے عہد کے بزرگ ہیں۔ ہندستان کے مختلف مقامات کی سیروسیاحت کی۔ موسیقی کے دلدادہ تھے اور خود اس فن میں بڑا کمال رکھتے تھے، بلکہ بعض چیزوں کے موجد ہوئے ہیں۔ پروفیسر شیرانی نے اُن کے حالات اور ان کا کلام کتاب چشتیہ تصنیف مخدوم علاءالدین ثانی سے نقل کیا ہے۔ وہیں سے ان کے کلام کا نمونہ درج کیا جاتا ہے۔

ان نینن کا یہی بسیکھ
ہوں[1] تجھ دیکھوں توں منجہ دیکھ

خواجہ خضر کے حق میں کہا ہے۔

---

۱ میں

دائم حیات کائم کرامات ملاکات نعمت پاؤں ہم
ندی تیر درم بہاری بھیر بھرت رہت ہوتیاں تیاری ام پرم
رحم کیجے کرپا کھیں دیجے کا کہوں زاوری سم
تم کھواجہ[1] کھدر[2] دے مہتر الیاس رہ دور پاس یاجگت اگم[3]

سید شاہ ہاشم حسنی العلوی

سید شاہ ہاشم حسنی العلوی بن قاضی برہان الدین اور شاہ وجیہ الدین دونوں قاضی نصراللہ کے بیٹے تھے۔ شاہ وجیہ الدین سب سے بڑے تھے اور قاضی برہان الدین سب سے چھوٹے آپ نے سنہ ۱۰۵۹ھ/۱۶۴۹ء میں انتقال فرمایا۔ آپ کے ایک مرید حاضر باش شاہ مراد ابن سید جلال نے آپ کے تمام اقوال وحالات جو شاہ صاحب کی زبانی وقتاً فوقتاً سُنے، ایک کتاب کی صورت میں جمع کردیے ہیں جس کا نام اُنھوں نے "مقصود المراد"، رکھا ہے۔ اس میں جابجا کثرت سے شاہ صاحب کے ہندی اقوال و ابیات اور نظمیں بھی موجود ہیں جو انھوں نے خود شاہ صاحب کی زبانی سُن کر قلم بند کی ہیں، ان میں سے چند یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

نکتہ:

ہاشم جی جھولاں[4] لہر — پیویں وحدت کے بحر
ہوویں متوالے سحر — دُنی[5] جوں قاتل زہر

سید ہاشم اپنے چچازاد بھائی میاں عبداللہ ابن شاہ وجیہ الدین کی خدمت میں بغرض بیعت وارادت حاضر ہوئے۔ میاں صاحب نے فرمایا بیٹھو۔ آپ نے کہا میں تو خدمت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ اُنھوں نے کہا تم میرے بھائی ہو

---

۱ خواجہ ۲ خضر ۳ جو مل نہ سکے ۴ موجیں ۵ دنیا

ہیں تم سے کیسے خدمت لے سکتا ہوں۔ آپ نے کہا میں تو اسی نیت سے حاضر ہوا ہوں، اور برابر دست لبتہ حاضر رہے۔ چند روز کے بعد شب کو اُنھوں نے دیکھا کہ حضرت میاں شاہ عبداللہ فرمارہے ہیں کہ مجھ میں جو کچھ ہے وہ میں نے تجھے بخشا اور یہ پانچ شغل جس طرح کہ میں کہتا ہوں تم کرو۔ اس واقعہ اور ان اشغال کو شاہ ہاشم نے اس طرح نظم میں ادا کیا ہے۔

ہنس ہنس پسنے کہیا نانہاں
دیوں تجی سب جے منج مانہاں
یں بی نم نم[۱] سر کو لیتا
کیوں نہ لیو جو دیوے میتا
پانچ شغل مکھ آکھیں سائیں
جیوں رے کہوں ہوں چلن تو آنہیں
شغل تکفینا کہیا پیو
ننھا بڑا یک جانے جیو
جیہا لوڑے آپس توں
تیہا لوڑے ساروں توں
تن منہ اپنی صورت دیکھ
آپس سحقیں کوئی جوا نلیکھ
شغل الٰہی کی حد جان
بی بی بولو جیو نہ آن

---

[۱] جھکانا

پالو بی تن مت ابھرائے
ہاشم جی پیو یوں سمجھائے
کتی دوشنبہ کیری رات
شاہ عبداللہ آکھی بات

نکتہ :-

اے دنیا کے لوگ کیڑے مکوڑے
گھیو شہد پر دوڑاتے گھوڑے
ڈوبتے بہت نکلتے تھوڑے

نکتہ :-

نامنج زن نامنج فرزند
نامنج بھائی نامنج بند
ہاشمی پیوسوں سند[۱]

نکتہ :-

پہلوانوں پہلی شرط یہ
نلائیں پہلو بھوئیں وہ
ہاشمی جیٹھے مد مناتے بھاری
علوی لوٹیں دن راتیں ساری

:-

انّما الاعمال بالنیّات
نہیں عمل مگر نیت سوں بات

ملنا

جو ایسی نیت دیوے بات
نولاسیاں[1] کھیلوں شہ کے سات

جکری :-

کہیو ہوچک میرے پیو
بھوت دنن کا اُلجا جیو
بادر[2] کوپ گھٹاکر آوے
تل[3] دھارن کھیچی کھڑی کھجاوے
مور چکارے ہے بن ماتی
پسو[4] پکی[5] سب تیرے راتی
کئی کئی بھانتو بھاؤ دکھاتے
کہیو ہوچک میرے پیو
بھوت دنن کا الجا جیو
بیر بہوٹی رنگ رت[6] میرے
بھور پیا گھر آؤ سویرے
کہیو ہوچک میرے پیو
بھوت دنن کا اُلجا جیو
نین ہمارے نس[7] دن رووے
میت بنا کہو کیوں جنم کھووے
ہاشم جی سک ہووے تب سکھ میتا جووے

---

[1] رنگ رلیاں [2] بادل [3] ذرا [4] بہانم [5] پنچھی [6] سُرخ رنگ [7] رات

کہیو ہوچک میرے پیو
بھوت دنن کا اُلجا جیو

جکری :-

جائے کہو یک "تل آئے پیا — سکتا جیو دھسکتا ہیا
لاالہ نفی الا اللہ اثبات — محمد برحق بلا میم احمد ذات
جائے کہو . . . .
نفی کل ہوا مانوں تو — کل اثبات ہووے جو
ہاشمی رخسار پھڑکتے — علوی دھڑکتا ہے جیو
اب آنے کی ہے بدھائے پیو — جائے کہو . . . . . .

نکتہ :-

یہی حجت ہے بس ہموں کوں
جس تحقیں لھیاسب منہ توں توں
پیر باطن تحقیں ظاہر آیا
پن ہاں نکتہ واحد لیایا
ہوا یکایک آپ دکھایا

اتھیں راز پیا کا بوجھا
تن من منہ حیب سائیں سوجھا
ہے توں ہوں ہوں روں روں مانہاں
ایک الف ہو آیا نانہاں
کرنا بھاؤ سو کٹھا تھیں کٹھانہاں

نون تھیں نور ظہور ہو آیا   پنچ حرفوں ٹکا لیا یا
کرکر لٹکے آپ دکھایا

اب تک میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہندستان کے مسلمان صوفی اور اہل اللہ جو ہدایت اور تلقین پر مامور تھے اور جن کا اثر اہل ملک پر بہت بڑا تھا وہ سب ہندی جانتے تھے۔ چنانچہ اس بیان کی تصدیق میں ان کے اقوال و ابیات اور نظمیں جو ان کے ملفوظات یا بعض تاریخوں میں ضمناً یا محض اتفاقی طور پر آگئے ہیں پیش کی گئی ہیں۔ ان اقوال و ابیات میں سے بعض خالص ہندی میں ہیں اور بعض ایسی ہندی میں ہیں جو عربی فارسی الفاظ یا ترکیبوں سے مخلوط ہے۔

اب میں ان بزرگوں اور صوفیا کا ذکر کرتا ہوں جو ہندی یا مخلوط ہندی یا ریختے میں صاحب تصانیف ہوئے ہیں۔ جن حضرات کا ذکر اس سے قبل ہوا ہے ممکن ہے کہ ان میں بھی بعض نے ہندی یا مخلوط ہندی میں رسالے یا کتابیں یا مسلسل نظمیں لکھی ہوں، لیکن ان کی تصانیف (اگر درحقیقت کچھ تھیں) اس وقت تک دستیاب نہیں ہوئیں۔ اب اس کے بعد میں اُن صوفیا اور اہل اللہ کا ذکر کروں گا جن کا مستقل اور مسلسل کلام دستیاب ہو چکا ہے اور میرے پاس موجود ہے۔

افسوس ہے کہ اب تک حضرت امیر خسرو کے ہندی کلام کا سُراغ نہیں لگا اور جب تک نہیں ملے گا اس کا افسوس رہے گا۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ وہ ہندی زبان کے ماہر تھے اور ہندی میں ان کا کلام موجود تھا جس کا اعتراف خود انھوں نے اپنے دیوان کے دیباچے میں کیا ہے۔ اگر کبھی ان کا ہندی کلام ملا تو اس وقت اس کی پوری کیفیت اور حقیقت معلوم ہوگی۔ فی الحال جو متفرق کلام تذکروں میں بیاضوں میں یا جو لوگوں کی زبانوں پر ہے اس کے چند نمونے نقل کر دیے گئے ہیں۔ خسرو کے فارسی کلام میں بھی ہندی الفاظ جابجا استعمال ہوئے ہیں جنھیں وہ بڑے

سلیقے سے استعمال کرتے ہیں۔ جس طرح وہ ہندی زبان کے ماہر تھے اس طرح وہ ہندی موسیقی میں بھی درجۂ کمال رکھتے تھے۔ ان دونوں کا ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ جس طرح انھوں نے ہندی موسیقی میں فارسی نغمے کا پیوند لگایا ہے بعینہٖ اسی طرح انھوں نے ہندی اور فارسی کو ملایا ہے اور حضرت امیر خسرو کے حق میں یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سرزمین ہند میں اس زبان کا بیج بویا جو بعد میں ریختہ، اُردو یا ہندستانی کے نام سے موسوم ہوئی۔

اُن کی جو چیزیں ہمیں زبانی پہنچی ہیں ان کے متعلق بدگمانی کرنا درست نہیں۔ ہماری بہت سی ایسی عزیز چیزیں ہیں جو سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ان میں تصرّف کیا گیا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان کی نہیں۔ بعض ایسی بھی ہیں جو ان سے منسوب کر دی گئی ہیں لیکن منسوب کرنے والوں کی نظر میں ضرور ایسی اصلی چیزیں تھیں جن کی نقل اُتارنے کی اُنھوں نے کوشش کی ہے اور جہاں جعل بنانے میں ذرا سی بھی کسر رہ گئی ہے تو ان کی چوری پکڑی گئی ہے اور وہ چیزیں اپنی وضع و ترکیب اور زبان کی وجہ سے خود بخود ساقط الاعتبار ہو گئی ہیں۔ یہ تو زبانی چیزوں کا حال ہے۔ تحریری کلام بھی تصرّف سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ کیا سعدی کی گلستاں بالکل وہی ہے جو سعدی نے لکھی تھی یا فردوسی کا شاہنامہ بعینہٖ وہی ہے جس کے لیے اس نے تیس سال خون جگر کھایا تھا؟

شمس العشاق شاہ میراں جی

اگر حضرت گیسو درازؒ کے رسالہ معراج العاشقین سے قطع نظر کی جائے اور اُسے منسوب خیال کیا جائے تو پہلے صوفی بزرگ جن کا کلام مستقل طور سے ملتا ہے وہ حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوریؒ ہیں جن کا سنہ وصال لفظ "شمس العشاق" سے ۹۰۲ھ/۱۴۹۶ء نکلتا ہے۔ آپ مکّے میں پیدا ہوئے اور کچھ دنوں

بعد ہندستان آئے اور حضرت شاہ کمال الدین مجرّد بیابانی سے بیعت ہوئے۔
شاہ کمال الدین کو شاہ جمال الدین مغربی سے بیعت تھی اور وہ حضرت سید محمد
حسینی گیسو دراز کے مرید تھے۔ حضرت گیسو دراز کا فیض دکن میں بہت وسیع
اور عام ہے اور ان کے روحانی فیوض کچھ بھی ہوں لیکن ان کا یہ فیض کچھ کم نہیں
کہ ان کے سلسلے میں اس زبان کو روز افزوں فروغ ہوا جو وہ اپنے ساتھ دہلی
سے لائے تھے۔ کیا یہ کچھ کم کرامات ہے کہ ایک شخص جو مکّے میں پیدا ہوتا ہے، ہند
میں آکر یہیں کی زبان میں تعلیم و تلقین حاصل کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسی میں لکھتا پڑھتا
اور اسی میں نغمہ سرا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ خود اپنے حال میں تحریر فرماتے ہیں کہ
وہ مکّے سے مدینہ شریف کی زیارت کو گئے اور تقریباً بارہ سال روضۂ مبارک
کے قریب رہے۔ ایک روز شب جمعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں
ہندستان جانے کے لیے ارشاد فرمایا تو آپ نے نہایت عجز سے یہ عذر کیا کہ
میں ہندستان کی زبان سے ناواقف ہوں۔ آنحضرتؐ نے زبان مبارک
سے فرمایا "ہمہ زبان بشما معلوم خواہد شد"، اور یہی ہوا۔ ان کا تقریباً سارا
کلام (جو اس وقت مجھے دستیاب ہوا ہے) اسی ہندی زبان میں ہے۔ اس
سے سمجھ لینا چاہیئے کہ اس وقت ہندستان کی عام زبان یہی تھی اور دوآبے،
پورب، پنجاب، گجرات، دکن وغیرہ میں اسی کا تسلّط تھا۔ شاہ میراں جی
بڑے بابرکت بزرگ تھے انھوں نے بیجاپور میں ایک ایسے خاندان کی بنیاد
ڈالی جس میں ان کے جانشین یکے بعد دیگرے کئی پشت تک بڑے صاحبِ
علم اور صاحبِ ذوق ہوئے اور انھوں نے اسی کو اپنی زبان سمجھا اور اسی
زبان میں سلوک و معرفت پر متعدد رسالے اور نظمیں لکھیں۔ اس خاندان
کے مریدوں اور معتقدوں نے بھی اپنے مرشدوں کی پیروی میں اسی زبان

اپنی تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا۔ یہ اسی مبارک خاندان کا اثر تھا
یجاپور میں اس زبان کو اس قدر فروغ ہوا اور وہاں ایسے ایسے خوش بیان
ر بلند خیال شاعر پیدا ہوئے جن کی نظیر اُردو کے شاعروں میں بہت
لتی ہے۔

اس خاندان کے کسی مُرید و معتقد نے اس خاندان کے بزرگوں کے
م کلام کو خاص اہتمام اور احتیاط سے ایک جگہ کر دیا ہے۔ وہ قلمی بیاض
ہت ضخیم ہے مجھے ایک بزرگ نے عنایت فرمائی۔ اس میں شاہ میراں جی
ئی رسالے ہیں اس قلمی مجموعے کا سنہ کتابت ۱۰۶۸ ہجری ہے۔

ایک رسالے کا نام شہادت الحقیقت یا شہادت التحقیق ہے۔ یہ خاصی
ی نظم ہے۔ اندرونی شہادت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شاہ صاحب
ی تصنیف ہے۔ وہ اس میں اپنے پیر شاہ کمال بیابانی کا اس طرح ذکر
تے ہیں کہ ان کی تصنیف ہونے میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا۔ فرماتے ہیں۔

اس کمالیت کا سنگ   اس خاندان کا رنگ
اُن گمائے اپنا حال   تو ہوئے پیر کمال
کچھ تھے نصیب میرے   پگ دیکھے تو اُن کیرے

یہ نظم ان کی دوسری نظموں کے مقابلے میں زیادہ سلیس ہے۔ بحر
ت اور ہندی ہے۔ حمد میں کہتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن   الرحیم تو سبحان
یہ سب عالم تیرا   رزاق سبھوں کیرا
تجھ بن اور نکوئے   نا خالق دوجا ہوئے
جے تیرا ہوئے کرم   تو ٹوٹے سبھی بھرم

اس کارن تجھ کو دھاؤں　　اور تیرا نام لیوں'
تجھ نرتا کون جانے　　اور پوری صفت بکھانے
ہے تیرا انت نہ پار　　کس موکھوں کروں اچار[1]
جو تیرا انت نہ جانے　　اس نہی کو نہ مانے

اس کے بعد نعت کے چند شعر ہیں پھر منقبت اور منقبت کے بعد اپنے پیر کا ذکر ہے اور اس کے بعد تصوف کی معمولی باتیں ہیں۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ تصوّف اور معرفت کے مسائل بیان کریں، ہندی زبان میں لکھنے کی وجہ اور معذرت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو عربی جانتے ہیں نہ فارسی، ان کے لیے ہندی میں یہ باتیں لکھی گئی ہیں۔ ظاہر پر نہ جانا چاہیئے باطن کو دیکھنا چاہیئے۔ زبان کوئی بھی ہو معنوں پر خیال کرنا چاہیئے۔ جیسے مٹی چھان کر سونا نکالتے ہیں اسی طرح بات کے مغز کو لو اور لفظوں پر خیال نہ کرو۔ وہ اسے گھُر بھاکا کہتے ہیں یعنی وہ زبان جو گھورے پر کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت اہل علم کی نظروں میں اس کی کیا قدر و منزلت تھی لیکن ساتھ ہی کیا اچھی تشبیہہ دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سمجھ لو کہ گھورے پر بارش ہوئی اور وہاں کسی کو چمکتا ہوا ہیرا مل گیا۔ یہ زبان گویا گھورے کا ہیرا ہے۔ کوئی معقول آدمی ایسے ہیرے کو گندہ سمجھ کر پھینک نہیں دے گا۔

ہیں عربی بول کیرے　　اور فارسی بہتیرے
یہ ہندی بولوں سب　　اس ارتوں کے سبب

[1] بیان

یہ بھاکا بھلسو بولی　　پن اس کا بھاوت کھولی
یو گرُ مکہ پہند پایا　　تو ایسے بول چلایا
جے کوئی اچھیں خاصے　　اس بیان کرے پیاسے
وے عربی بول نہ جانے　　نا فارسی پچھانے
یہ ان کو بچن ہیت　　سنت بوجھیں ریت
یو دیکھت ہندی بول　　پن معنی ہے پنتول
کڑوے پن سورس　　پھل پاکے جوں پھنّس
نا دیکھت بورا لیکھو　　لے مغز چاک دیکھو
جے مغز میٹھا لاگے　　تو کیوں من اس تھے بھاگے
تیوں اس میں ارت[1] بیچ　　سب قرآن کیرے[2] بیچ
وہ مغز معنے لیو　　سب چھال چھوڑ دیو
یا وہ دیکھے چھارا[3]　　اس ماٹی کا پسارا
نا ماٹی اس کو ہان'　　وہ راکھے سمیٹ آن
یہ چھان ستّا لیوے　　اور بعضے ناکہ دیوے
یوں بھاکا ماٹی جانو　　زر معنی دل میں آنو
تو جس کو بھاوے جوڑ　　نا جاسی یہ گون چھوڑ
ہے کڑواں کیرا ہیرا　　گھور اوپر پڑیا نیرا
کوئی سبھاں بھاگوں پاوے　　تو کیوں نا لیہ اچاوے
گھُر بھاکا چھوڑ دیجے　　چن معنی مانک[4] لیجے

[1] مطلب (معانی) [2] کے [3] کھار [4] موتی

اس کے بعد کتاب کا نام اور اس کی خوبیاں بتائی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اس نام ہے تحقیق　　سُن شہادۃ التحقیق
اس کا مغز دریا　　جے دیکھ نت رہے بھریا
سب ہیروں کیری کھان　　ناموں تیوں کیری وان
جے غواص بودھ سیوے　　تو سالم سودھا لیوے
جے ہوئے گا مچھارا　　کیا جانے گا بچارا

اس کے بعد تصوّف کے مسائل بیان کیے ہیں اور یہ سب سوال و جواب کے طرز میں ہیں۔ سوال طالب کی طرف سے اور جواب مرشد کی جانب سے۔

ان کا ایک اور رسالہ ہے جس کا نام "خوش نامہ" ہے۔ یہ بھی منظوم ہے اور اس میں کچھ اوپر ایک سو ستر دوہے یا شعر ہیں۔ چنانچہ خود ہی کتاب کا نام اور اشعار کی تعداد بتاتے ہیں۔

اس خواہش نامہ دھریا نام دوھا ایک سو ستر

ہندی شعر البعض اوقات تصوّف اور معرفت کی باتیں عورت سے خطاب کرکے یا عورت کے حالات میں بیان کرتے ہیں۔ مثلاً یہ دنیا اس کی سسرال ہے اور عالم آخرت اس کا میکا ہے۔ اس طرح بطور استعارہ عورتوں کے تمام مناسبات مثلاً زیور پہننا، مہندی لگانا، چرخا کاتنا وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ اس نظم کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوش یا خوشنودی یا تو ایک فرضی لڑکی ہے یا حضرت کی کوئی عزیزہ ہے جن کے لیے یہ نظم لکھی ہے۔ اوّل اس کا نسب نامہ بیان کیا ہے، پھر اس کے سبھاؤ

کا ذکر کیا ہے کہ وہ بھولی بھالی ہے، ستونتی ہے، سب کی پیاری ہے۔ دوسری لڑکیوں کی طرح بناؤ سنگار نہیں کرتی ہے بلکہ اس کے دل میں خدا کی لگن لگی ہوئی ہے۔ اور اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔

کبھی نہ رنگی میدھی رنگوں پھولوں باس نہ آیا
رنگ نہ رنگیا دنتوں اس بھینی نہ ہلدوں کایا
کہے منجھ سیر سہاگ اللہ کا چھڑ رہیا سہاوا
اب کیوں سر سہاوے دوجا تم کو ناہیں ٹھاوا
اُس کے رنگوں رنگی ساڑی دوجا رنگ نہ بانی
اُس کی باسا ہم کو باسا پھول پھوکٹ کی آنی
ایسی باتیں کرے گنونتی مورکھ بوجھیں سُدھ
یہی من میں آوے اپنے چھند سوہی سکھاویں بودھ

جب لوگ اُسے بے پروائی اور بے نیازی کا طعنہ دیتے ہیں تو وہ جواب دیتی ہے کہ ہمیں یہی رنگ بھاتا ہے اور ہمیں دنیا اور اس کے عیش و آرام سے کچھ کام نہیں۔

کہے یہ سب حکم خدا کا جے تم آکھیں یوں
ہم کو بھاوے یک اللہ سو کرے وہ بھارے تیوں
ناہم اچھیں سوکھ سنسارا ناہم اچھیں چاؤ
ہم تو راون لوڑیں اس سے جے ہے راون راؤ
جے نرگن گنوں کا سبن گن کوں سو بوجھے اب
پُن پاپ سٹ دیجے اب شہ سوں میلا ہوئے تب

اس کے بعد پیر کی تعریف اور اچھے بُرے پیر کا امتیاز بیان کیا ہے۔

پیر وہی جو پریم لگاوے نور نشانی عین
منزہ کی سُدہ لکھاوے جہاں دیس نہ رین
جس مارگ سقیں جیو سنچرے[1] سوہی مارگ سار
مارگ چھوڑ چلے کو مارگ تن کاہیں بچار
کریں جبھیں وہ تیرت پٹن یوگ ابھاسین دھیان
پانچو چیز ریاسوں راکھیں کیوں کر دیجے مان
چندر سور کی ارتہ دکھاویں کریں اچنبھا جب
ذاکر ہومن دم چلاویں یہ بھی دھیان الب[2]
لو بچنت موندت پھریں پھوکٹ ترت کریں یاج
ٹھاں دیکھ جسے دیویں مان وہ بھی مورکھ نلج
جن کو شہوت کیرا ہا وا اُن کوں ویسے پیر
جن کے پیر شیاطیں وے تونا آویں گے حق دھیر
سُوّر کے گل باندھیا مُشک وہ کیا اس کو جانے
اُس کے تائیں سُرجیا وہ سوہی پچھان مانے
یا گدھڑے[3] پر قرآن لادیا یک نہ بوجھے بول
لایق اپنے کرے بیان لیہ موکر اپنا کھول

غرض اس طرح پیروں کے صفات اور ان کے کرتوتوں کا ذکر برابر چلا جاتا ہے۔ آخر وہ میراں جی سے عرض کرتی ہے کہ میرے حال پر توجہ کیجیے مجھے دنیا اور اس کی لذّتوں سے کچھ غرض نہیں، میں تو تمھارے

[1] چلے [2] گھوڑا [3] گدھا

پریم کی پیاسی ہوں اور تم ہی سے میری آس ہے۔ وہ خدا کی حمد کرتی ہے اور اُس سے مناجات کرتی ہے۔

منج نا لوڑے الواں نعمت پھوپ بریمل[1] پان
روکھی سوکھی اوپر خوشی کاہ بڑائی مان
نا منج لوڑے پاٹ پتنبر نہ زر زری سنگار
پھاٹ ٹوٹی کنبلی نیکی کلمہ جپن ہار
نا منج لوڑے پلنگ نہالی صوفے ماڑی باغ
حسرت راکھ جیونا مرنا یہ تو کسمل[2] داغ
جے نہ سمایا دھول ملاوے کبھو نہ پرگٹ شوق
جے نہ عشقوں آنجھو ڈالے کبھو نہ پایا ذوق

توں قادر کر سب جگ سب کوں روزی دیوے
توں سبھوں کا دانا بینا سب جگ تجکوں سیوے
سب کی چنتا تجکوں لاگی جیسے جیو جیون،
سب کی جان سبحان تونہیں دے جے جے جسکے من
ایکس ماٹی مولی دیوے ایکس ماٹی باج
کیتوں بھیک منگاوے کیتوں دیوے راج
کیتوں پاٹ پتمبر دیتا کیتوں سر کی لایا
کیتوں اوپر دھوپ تلاوے کیتوں اوپر چھایا

[1] خوشبو [2] ناپاک، ذلیل

کیتے گیان بھگت بیراگی کیتے مورکھ گنوار
ایک جن ایک مانس کیتا ایک پرس ایک نار
ایک فرشتہ یک شیطان یک چور یک ساؤ[1]
ایک جھاڑ یک پتھر ماٹی ایک اگن ایک باؤ
عرش کرسی لوح قلم دوزخ بہشت نپایا[2]
آسمان سورچندر تارے سب پر حکم چلایا

تجھتے ہی قدرت کوں زدر، تجھتے نور نورانا
تجھتے سب کا سبھی[3] پنا تج بن سب ہیں بے گانا
تج بن کوئی نہ مار جواوے، تج بن کوئی نہ آس پورآوے
عالم اوپر بایا[4] بہنا، کرے حکم سوں بیسا بھاوے
بہشت میانے آگ اچاوے، دوزخ کوں سکے بجھاوے
پکڑ بیگاری تخت بٹھاوے، راجے راکھی گرد ملاوے
فہمندیاں[5] کوں کرے دیوانے، سوکھیاں[6] کوں لیہ دوکھوں میں بہاوے[7]
کرکر بندگی جرم گنواوے، پھر پڑے تیج عجب کیارانے
میں اس کارن بہت ڈروں ڈر کر جاؤں کہاں
جہاں جہاں میں چھپن لوڑوں تو نہی تہاں تہاں

---

[1] ساہو [2] پیدا کیا [3] کیا اچھی ترکیب ہے - سبھی سے سبھی پن [4] ہوا [5] سمجھ دار [6] سکھ والے یعنی عیش و آرام والے [7] ڈالے

اب نہ چھپوں اب نہ ڈروں، ڈروں کو کہاں لگ ڈروں
ہمیں غریب نپائے تیرے، آس تجھے آسا دھروں
ماتا جے بالک تھے روسی[1] جانا اکھیں کدھر
آپ جس مارگ[2] لاسی[3] میراں میں جاؤں تدھر

تو رحماں رحیماں میرا مہر محبت بھریا
میں تو باندی بردا تیری تیں مجھ باتوں دھریا
نا میں کیتی بندگی تیری نا دھر کیتی یاد
دائم کیتی آگل تیرے سلگوں تھی فریاد
تیں بھی میرا لاڑ چلایا کبھو نہ ہوا اُداس
آپ سند لیا توڑ گسائیں تیری منجھ کو آس

یہ دعا قبول ہوتی ہے اور ہاتف خوش خبری دیتا ہے ، فرشتے ادب سے حاضر ہوتے ہیں اور آسمان سے نور کے طبق آتے ہیں اور پھولوں کی خوشبو سے آسمان زمین مہک اٹھتے ہیں - خوشنودی کا یہ آخری وقت ہے اور وہ اس دنیا سے چل بستی ہے - یہ نظم بڑی پُرکیف اور دل گداز ہے اور جس ڈھنگ سے شاہ صاحب نے ان خیالات کو ادا کیا ہے وہ بہت پُراثر ہے-

شاہ صاحب کا ایک تیسرا منظوم رسالہ بھی اِسی قسم کا ہے - خوش یا خوشی سوال کرتی ہے اور میراں جی جواب دیتے ہیں اور یہی

---

[1] خفا ہوئی [2] رستہ [3] لگائے گا-

وجہ ہے کہ اس کا نام کبھی خوش نغز ہے۔ اگرچہ اس میں گنتی کے کل
بہتر تہتر شعر ہیں، لیکن اسے نو ابواب میں تقسیم کیا ہے جن میں
عرفان و روح ، مراقبہ ، عقل و عشق ، کرامات ، موحد و ملحد جیسے
مضامین پر بحث کی ہے۔

نظم کی ابتدا میں یہ دو شعر بطور تمہید کے لکھے ہیں۔

جے ہماری ارادت کی اُن کا یہ احکام
نماز ، تسبیح ، نیتاں ، ذکر اللہ یک نام
اس پر جیتا رہے صدق سوں او تنا اچھے لاب
دین ، دنیا ، دیدار، بہشتاں پاوے بے حساب

اس کے بعد اصل نظم شروع ہوتی ہے۔ نمونے کے لیے دو شعر
پیش کیے جاتے ہیں۔

خوش پوچھے کی کہو میراں جی عالم اچھے کیتے
پیر کہیں سُن جیتے تن اچھیں عالم تیتے
خوش کہے مج کہو میراں جی عشق بڑا یا بودھ[1]
پیر کہیں میں آکھوں بیان اس میں دھرنا سودھ

ایک چوتھا رسالہ شرح مرغوب القلوب ہے جو نثر میں ہے اور حضرت
میراں جی ہی کی تصنیف بتایا جاتا ہے۔ اس میں دس باب ہیں جن میں
توبہ، طریقت ، حقیقت ، شریعت ، وضو ، دنیا ، ترک دنیا، تجرید
عشق ، معشوق ، فنا ، بقا اور سفر پر بحث کی ہے۔

---

[1] عقل

ان ابواب میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ پہلے قرآن کی آیت ہے مگر
وہ زیادہ تر احادیث نبویؐ لکھتے ہیں اور اس کے بعد ترجمہ اور مختصر تشریح
کرتے ہیں۔ دو تین نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

"کل امرذی بال لم یبدء بہ بسم اللہ فھو ابتر"

پیغمبر کہے جسے کچھ کام کرے گا کوئی خدا کا ناؤں نہ لے کر تو او کام پائمال ہوئے گا

"الحمد للہ رب العالمین"

سرانا نواز نا خرا کوں بہوت کر او پالنہارا ہے عالم کا

"العاقبۃ للمتقین"

ہور اس عالم میں خوبیاں دیوے گا، کہیا ہے، اپس کوں پچھانے
لوگاں کو ہور پرہیزگاراں کوں۔" پیغمبر علیہ الصلوٰۃ کہے خدا کی آشنائی
جسے کوئی بوجتا ہے، انو کیا توں رہ کر انو تھے بوج ، انو تھی توں سن ہور
چپ نکو اچہ۔ اس چار باتاں کا پند ہے۔ یوں شریعت میں پہلے پاؤں
رکھو کہ طریقت شریعت منج ہے۔"

خدا کہیا "تحقیق مال اور ہنگڑے[1] تمھارے دشمن ہیں، چھوڑ دیو
دشمناں کوں۔ اے کیسا غفلت ہے جو تجھے اندھلا کیا موت کی یاد تھی تجھے
بسرا کر۔"

شاہ میراں جی کا خاندان بھی عجب بابرکت تھا، ان کے بیٹے اور پوتے
اور پڑپوتے بھی بڑے شاعر گزرے ہیں اور ان کے کلام کا ذخیرہ بہت ضخیم
ہے۔ یہاں میں صرف ان کے بیٹے اور پوتے کا ذکر کروں گا۔

---

[1] اولاد، بال بچّے۔

شاہ برہان الدین جانم

شاہ برہان الدین جانم حضرت میراں جی شمس العشاق کے فرزند اور خلیفہ تھے اور اپنے وقت کے بڑے عارف اور صوفی تھے۔ ان کی ولادت اور وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوئی لیکن اُن کی ایک نظم جو مجھے دستیاب ہوئی ہے اس کا سنہ تصنیف اُنھوں نے خود ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء بتایا ہے اس سے یہ ظاہر ہے کہ ان کا انتقال اس سنہ کے بعد ہوا ہے۔ میرے پاس اُن کے کلام کا بہت بڑا مجموعہ ہے۔ ان میں سوائے ایک کے باقی دس سب منظوم رسالے ہیں جو تصوف وسلوک پر ہیں۔ ان کا کلام میراںجی کے لگ بھگ ہے مگر اس سے کسی قدر صاف ہے اور اس میں شاعرانہ ذوق بھی کسی قدر زیادہ ہے۔ میں اس موقع پر اُن کی تصانیف کا مفصل ذکر کرنا نہیں چاہتا البتہ اُن کے کلام کے چند نمونے پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے اُن کے کلام اور اس وقت کی زبان کا اندازہ ہوسکے۔

حمد میں:

سکتا، قادر قدرت سوں سمجھے تجھ کوں کوئی کیا
جس کوں لوڑے دیوے راہ کہیا یہدی من یشا
یہ روپ پرگٹ آپ چھپایا کوئی بنیا یا انت
مایا موہ میں سب جگ باندھیا کیوں کر سوجھے نِت

(از وصیت الہادی)

اللہ، پاک منزہ ذات — اس سوں صفتاں قائم سات
علم، ارادت، قدرت بار — سنتا دیکھتا، بولنہار

حی صفت یہ جان حیات — اس کوں ناہیں کدہ ممات
ایسیاں صفتاں سوں ہے ذات — جوں کر چندنا چاند سنگات

(از نسیم الکلام)

کوئی کہیں سب عشق تمام — عشق کے آنکھیں کیا ہے فہام
عشق لیا ہے سب پھر باس — عشق تھے سگلا بھوگ بلاس
بعض آکہیں اپنی بوجھ — معلوم نہیں کچھ اس کی سوجھ
ایک جمع سب پکڑیا بار — جونکے بیج تھی نکلیا جھاڑ
کانٹا چھانٹا پھل اور پھول — شاخ برگ سب دیکھو اصول
ایک جمع کر راکھیں بار — بیج نپے کانا ہیں سمجھار
ایکے بیجیں بیج اپار — بیج نپے سو سگلا جھاڑ
کوئی کہے یہ دیکھ مقیم — یو سب عالم اہے قدیم
نہ اس خالق مخلوق کوئے — جیسا نتیسا سمجھا ہوئے

(از منفعت الایمان)

گن آدم کا نہ ہاتھ چڑھے رہے کیوں کھنا انسان
صورت پر اعتبار نراکھیں جیسے ہیں حیوان
بلکہ ان تھی گمراہ کریوں قرآن میں فرمان
لوکاں یہ مت کچھ الاوی[1] جن بوجہ بجتوں لادھی
پنتہ اکاس کا ونگم[2] جاتے جل کا مارگ مین[3]

---

[1] علیحدہ [2] پرندہ [3] مچھلی

سادھو کا انت سادھو جانے دوجے کوں نہیں چین[1]
ایسا سادھو بھاگوں نہیں تو چرنا رہنا لین
لوکاں یہ مت پرکھ الادی جن بوجھ بجھتوں لادھی

(از شکھ سہیلا)

علاوہ ان مثنویوں کے شاہ صاحب نے بہت سے خیال اور دوہے بھی لکھے ہیں جن کی ایک اچھی خاصی تعداد میرے پاس موجود ہے۔ ایک ایک مثال اس کی یہاں لکھی جاتی ہے۔

خیال:

اب سندلیسا مجھ ہے سٹہ کا — جب کب بھاگوں انتر ملے
ہیر پیرم کے ہیڑے میرے — نینوں مانہہ جوں کنکر ملے
نس دن جاگے برہ ماری — نہ نیندا دیکھے نین پڑے
پلکیں میری آگ جلے کیوں — سپنے دیکھوں سو کھڑے
قول پیا تجھ آس لگی من — آس لگی تجھ پاس رہن
جب کا جھانسا تیں مجہ لایا — یک تل نہ مجھے ساس رہن
نِہ[2] کا پینا مجہ کوں لاگا — لوگ دیوانی دیکھ ہنسیں
جگ کی ہانسیں کیا مجھ ہوئے — کہو سریجن کہاں بسیں

دوہرا:

جب لگ تن نہیں چھوڑیا جیوں تب لگ ہونا دور
جب لگ نظر نہیں چھوڑی آنکھ کوں تب لگ ہونا دور

[1] پہچان [2] محبت، عشق

جب لگ سپنا نہیں چھوڑیا کاں کوں یو سب اعضا حال
جب لگ فہم نہیں چھوڑیا دل کو یو جہت ہو نزال
یوں سب تن میں برتن دیکھ چھوڑیں اے سکھ دکھ
دکھ سکھ دونوں یک کرسی[1] تو پاوے سہج کا سکھ

آپیں جوگی سب جگ چیلا — آپیں ایک نات رہے یکیلا
اپنی اچھیا کر سب چیلے نپایا — نیکی بدی کے دو مُندرے بھایا
کلمہ نبی کا پنتھ مارگ لایا — تن کا کنٹھا کر سب چیلوں پہنایا
بندگی بھبوت کرنت اٹھ لایا
یقین جوگ ڈنڈا تکیہ خاصا — بجیا کچھوٹی دے بندے پاسا
اس تن کے مٹھ میں راول کا باسا — دھرتری پتر بھر بھوجن کیتا
بادل پھوڑوا کر پانی دیتا

شاہ برہان کا کلام اگرچہ سادہ ہے لیکن بعض مقامات پر شاعرانہ لطافت بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً

بن عشق بُدھ کو سوجھ نہیں
اور بن بُدھ عشق کی گوج نہیں
جے آپ کو کھوجیں پیو کو پائیں
پیو کو کھوجیں آپ گنوائیں

اُن کا ایک رسالہ کلمۃ الحقایق نام کا نثر میں ہے۔ یہ رسالہ اچھا بڑا

[1] کرے گا

ہے اور اس میں تصوف کے مسائل سوال و جواب کے طرز پر بیان کیے ہیں ۔
شروع یوں کرتے ہیں

"اللہ کرے سو ہوئے کہ قادر توانا سوئے کہ قدیم القدیم اس قدیم کا کبھی کر نھار ہبج ہبج سو تیر اٹھارو ہبج ہوا کبھی توج کتی بار۔ جدھاں کچھ نہیں بھی تھا تہیں دوچار شریک کوئی نہیں ۔ ایسا حال سمجھنا خدا کتی خدا کوں جس پر کرم خدا کا ہوے۔"

اس کے بعد سوال و جواب شروع ہوتے ہیں ۔ مثال کے طور پر ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے۔

سوال:۔ "یہ تن الادھا[1] دستا، ولیکن جیتا بکار[2] ٹوٹنے نہیں بلکہ ستنتر[3] بکار روپ دستا ہے، تک تل قرار نہیں، جیوں مرکٹ[4] روپ۔"

جواب:۔ "اے عارف ظاہر تن کے فعل سوں گزریا و باطن کر تب دستے ۔ اس کا ناؤں سوں ممکن الوجود۔ دوسرا تن سو بھی کہ اس کا ابندریں کا بکار[5] و چیشٹا کرنھارا سو وہی تن، نہیں یو خاک سو کھو دوکھ بھوگن ہارا۔ جیتا بکار روپ وہی دوسرا تن، توتوں نظر کر دیکھ، یہ تن فہم سوں گزریا تو گن اس کا کیوں رہے۔"

شاہ برہان نے بھی اپنے پیر و مرشد اور والد شمس العشاق میراں جی کی طرح ہندی میں لکھنے کی معذرت کی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ اُن کے زمانے میں عالم اور ثقہ لوگ ہندی میں لکھنے سے احتراز کرتے تھے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ظاہر پر نہ جاؤ اور باطن کو دیکھو۔ لفظوں کو نہ دیکھو اور معنی پر خیال کرو ۔ ہندی لفظوں میں کوئی عیب اور خرابی نہیں ۔ اگر سمندر کے

---

[1] علیحدہ [2] ترغیب، تغیر [3] قلب ماہیت [4] بندر [5] حرکت

موتی کسی ڈبرے یا جوہڑ میں ملیں تو عقلمند آدمی انھیں کیوں نہ لے ۔
فرماتے ہیں۔

عیب نرا کھیں ہندی بول
معنی تو چک دیکھ ڈھنڈول
جو نکے موتی سمدر سات
ڈابر جے لاگیں ہات
کیوں نہ لیوے اس کبھی کوئے
سہانا چتر جو کوئی ہوئے
ہیں سمند کے موتی یو
گیان رتن کے جوتی یو

ہندی بولوں کیا بکھان
جے گرُ پر ساد تھا منج گیان

شاہ امین الدین اعلیٰ

شاہ برہان کے فرزند اور جانشین امین الدین اعلیٰ ہیں، وہ بھی باپ اور دادا کے قدم بقدم چلے ہیں ۔ ان کی وفات سنہ ۱۰۸۶ھ/۱۶۷۵ء میں ہوئی (مادۂ تاریخ "ختم ولی"، ہے)۔ ان کے نظم و نثر کے کلام سے تھوڑا سا نمونہ پیش کیا جاتا ہے ، ایک نظم محب نامہ (یا محبت نامہ) قصیدہ کے طرز میں کہی ہے مگر رنگ عاشقانہ ہے، قافیہ تو ایک ہے، مگر ردیف کہیں کہیں بدل دی ہے۔

قمریں نین تیرے ساحر ہوئے ہمن کوں

گمراہ کر بلاوے قوس و قزح بھون کوں
پیچوں بھویاں زلف تج موجوں ڈبے بحر موں
ہر لہر پر کرشمہ عشاق کے بچن کوں
راہ صراط پل جوں سرمانگ جو چھی ہے
کاٹے کشاں سماں پر محب بلاونے کوں
سیما عرش علامت کرسی مکٹ سہاوے
روشن شمع منور پروانے جالنے کوں

ایک دوسری نظم وجود یہ ہے، اس کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

نفس کا دوڑنا ہی اس کٹھار
یو تو آہے نفس بچار
نفس کو لیا وِ تو دم کی جاگا
لائیں ذکر نہیں تو جاوے بھاگا

آپ نے دوہے بھی لکھے ہیں، ایک دوہے میں کہتے ہیں۔

مرنا ہار ، جیونا بسار
جیونا ہار ، مرنا بسار
سودہ سریجن کی دیکھ بچار
لال سریجن دیکھیں پاوے
آپس میں دیکھ آپ گنواوے
من رانی حضرت قول بھواوے (وغیرہ)

لہ [illegible]

بعض دوہوں میں عربی لفظ کثرت سے آگئے ہیں، لیکن ایسے دوہرے بہت کم ہیں۔

نبی پرگٹ ذات ظہور ہے
معشوق حق اللہ نورٌ علیٰ نور ہے
حقیقت حقایق ذات کمال ہے
صورت معنی ذوالجلال ہے

ان کی بعض غزلیں بھی ملی ہیں، ایک غزل قدیم طرز ریختہ میں لکھی ہے، باقی دکنی اُردُو زبان میں ہیں۔

شاہ صاحب نے بعض رسالے نثر میں بھی لکھے ہیں، ان کی نثر کی چند سطریں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

"اللہ تعالیٰ گنج مخفی کو عیاں کرنا چاہا تو اول اُس میں سوں ایک نظر نکلی، سو اس سے امین دیکھ ہوا۔ امین شاہد کہتے ہیں یو دونوں ذات کے دو طور ہیں۔ ذات نے ایس کو دیکھا اُسے نظر کہتے ہیں۔ دیکھ کر گواہی دیا اُسے شاہد کہتے ہیں۔ یہ تینوں مرتبے ذات کے ہیں۔"

ان کے علاوہ بھی شاہ صاحب کی تصنیف سے متعدد رسالے ہیں۔

سید میراں حسینی شاہ

اس خاندان کے مُریدوں نے بھی تالیف و تصنیف میں وہی روش اختیار کی تھی۔ ازاں جملہ ایک بزرگ سید میراں حسینی شاہ امین الدین اعلیٰ کے مُرید تھے۔ یہ حیدرآباد دکن کے باشندے اور سُلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں۔ کسی ضرورت سے بیجاپور گئے تو شاہ امین الدین اعلیٰ سے

بیعت کی اور باقی عمر راہ حق میں گزار دی - یہ کئی رسالوں کے مصنف ہیں - لیکن ان کی سب سے مشہور اور ضخیم کتاب شرح تمہید ہمدانی ہے جو "تمہیدات عین القضات" کا ترجمہ ہے - اصل کتاب کے مصنف عبداللہ بن محمد المیاں جی ملقب بہ عین القضات ہمدانی ہیں، جو سنہ ۵۳۳ ہجری میں بحکم قوام الدین ابوالقاسم درگزینی وزیر سلطان سنجر قتل کیے گئے - شاہ میراں حسینی کا انتقال ۱۰۷۴ھ میں ہوا ہے - اس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس سنہ سے قبل کی تالیف ہے - میرے ایک نسخہ میں سنہ کتابت ۱۰۶۷ ہجری لکھا ہے - اس لحاظ سے یہ کتاب اُردو کی قدیم نثر کی کتابوں میں خاص درجہ رکھتی ہے کیونکہ علاوہ چند مختصر رسالوں کے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس سے قبل نثر میں صرف وجہی کی سب رس پائی جاتی ہے - اس کی عبارت کا تھوڑا سا نمونہ پیش کیا جاتا ہے -

" اے عزیزاں! اے بات نہیں سنیاں - بادشاہاں گھوڑا مستعد[1] کیے باج نہیں سوار ہوتے، ہور گھوڑے میں کچ[2] کھوڑ[3] اچھے تو کبھی نہیں کرتے - یعنی پیر کے عشق میں پختا ہوئے باج خدا کے عشق میں نا آسک سی ہور دیکہ نا سکسی - اگر عشق خالق نداری بارے عشق مخلوقے مہیا کن - اس کا معنا، خدا کی پچھانت کابل نہیں تو اول اپنی پچھانت کر - سوائے بات یوں ہے کہ آفتاب کا ذات نواز نہارا ہے اور اس کا اُجالا جالنہارا ہے یعنی دوست سو نواز نہارا ہور خوبیاں دینہارا -

---

[1] پھرا گھما کر تیار کیے بعد [2] کچھ [3] عیب

ولے اس کا محبت اُسے ڈگداتا[1] ہے یعنی معشوق کا محبت عاشق کو گالنتا[2] ہے اُس کے فراق میں "

ان کی اولاد اور مُریدوں میں کئی شخص بہت اچھے شاعر ہوئے ہیں جن کا ذکر بخوف طوالت یہاں ترک کیا جاتا ہے -

---

گجرات

اب میں تھوڑی دیر کے لیے آپ کو بیجاپور سے گجرات کی طرف لے جانا چاہتا ہوں - گجرات کا تعلق دہلی سے سلطان علاء الدین خلجی کے عہد سے شروع ہوتا ہے جب کہ اس نے سنہ ۶۹۶ ہجری میں اپنی فوج بھیج کر اس علاقے پر تسلط کر لیا اور اپنی طرف سے صوبے دار مقرر کر دیا - یہ صوبے دار سلطنت دہلی کی طرف سے برابر مقرر ہوتے آئے، یہاں تک کہ جب دہلی پر تیمور کا لشکر پہنچا اور سلطنت میں ضعف پیدا ہوا تو صوبے دار ظفر خاں کے بیٹے تاتار خاں نے خود اپنی حکومت گجرات میں قائم کر لی اور محمد شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت پر بیٹھا (سنہ ۸۰۶ھ / ۱۴۰۳ء) شاہان گجرات کی حکومت اکبر کے عہد تک رہی - اس کے بعد گجرات کا صوبہ سلطنت دہلی میں شامل ہو گیا - غرض دہلی کا اثر اس علاقے پر امیر خسرو کے زمانے سے تھا اور وہاں کی زبان کا اثر جو اس علاقے کی زبان پر پڑا وہ نہ صرف اس وسیع صوبے کے شہروں تک محدود رہا بلکہ سلطنت بیجاپور اور دور و نزدیک کے مقامات میں بھی پہنچ گیا - اس کی شہادت ان بزرگوں

---

[1] [2] گلانا

اور شاعروں کے کلام میں پائی جاتی ہے جواب تک موجود ہے۔

یہاں میں صرف اُن چند صاحب تصنیف بزرگوں کا ذکر کروں گا جنھوں نے اُردو کی شاخ گجری یا گجراتی میں اپنا نغمہ سنایا ہے۔

قاضی محمود دریائی بیرپوری

ایک ان میں سے قاضی محمود دریائی ہیں جن کا شمار گجرات کے بڑے اولیاء اللہ میں سے ہے۔ ان کے والد قاضی حمید عرف شاہ چالندہ حضرت شاہ عالم کے مُرید تھے اور ان کے دادا قاضی محمد حضرت قطب العالم سے ارادت رکھتے تھے۔ یہ دونوں اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ اور ولی تھے۔ بعض تذکروں میں یہ لکھا ہے کہ قاضی محمود حضرت سلطان شاہ جیو فرزند حضرت محمود خلف حضرت قطب العالم کے مُرید تھے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ وہ اپنے والد ہی کے مُرید و خلیفہ تھے۔ اس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ قاضی محمود نے ایک شب یہ دیکھا کہ حضرت غوث الثقلین یہ فرما رہے ہیں کہ تم مقام محبوبیت میں جو میرا درجہ ہے پہنچ گئے ہو لیکن مناسب یہ ہے کہ تم اپنے والد سے بیعت و خلافت حاصل کر لو۔ صبح کو یہ واقعہ انھوں نے اپنے والد بزرگوار سے بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا ٹھیک ہے مجھے بھی معلوم ہو چکا ہے۔ میری زندگی کے دن آخر ہو چکے ہیں۔ مرنے سے پہلے تمھیں مُرید کروں گا۔ چنانچہ وفات سے ایک روز قبل خرقۂ خلافت عطا فرمایا لیکن اس روایت کی ضرورت نہیں، اُن کے کلام کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے جس میں قاضی صاحب نے اپنے والد کے مُرید ہونے کا اقرار کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

چاؤں چلندھا پیر میں آپایا
اُن محمود کوں میت ملایا

قاضی محمد تن شاہ چالندھا محمود کرا پیر
قاضی محمد تن پیر سہارا چالندھا بھاگوں بھارے
قاضی محمد تن پیر سہارا چالندھا مجھ پیار
پیر سہارا چالندھا ہوں اُس بل جاؤں

اپنے والد کے وصال پر جو جکری لکھی ہے اس میں لکھتے ہیں۔

قاضی محمد تن شاہ چالندھا پیر لاگوں پائے

اپنے کلام میں جگہ جگہ اپنے والد کا ذکر اور اپنی ارادت کا اظہار کیا ہے وہ ہر جگہ اپنے والد کو قاضی محمد کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس کے ساتھ یا تو چالندہ کا لفظ لاتے ہیں جو ان کے والد کا لقب تھا یا صرف شاہ چالندھا لکھتے ہیں۔

تذکروں میں ان کی بہت سی کرامتیں بھی لکھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب کسی کی کشتی بھنور میں پھنس جاتی اور ڈوبنے کو ہوتی اور وہ قاضی صاحب کو یاد کرتا یا اُن کی دُہائی دیتا تو بھنور سے نکل کر ساحلِ مراد پر پہنچ جاتا۔ اسی وجہ سے اُن کا لقب "دریائی" پڑ گیا۔

ان کا وطن بیرپور تھا۔ عالم جوانی میں احمد آباد آ گئے تھے۔ اس کے بعد پھر ۹۲۰ھ میں بیرپور واپس چلے گئے اور وہیں ۹۴۱ھ / ۱۵۳۴ء میں ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔

سماع کا بہت شوق تھا اور اس میں وجد کی کیفیت طاری ہوتی تھی

ان کا مشرب عشق و محبت تھا اور یہی وجہ ہے کہ ان کا سارا کلام اسی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ زبان ہندی ہے جس میں کہیں کہیں گجراتی اور فارسی عربی لفظ بھی آجاتے ہیں۔ کلام کا طرز بھی ہندی ہے۔ چونکہ موسیقی کا خاص ذوق تھا اس لیے ہر نظم کی ابتدا میں راگ راگنی کا نام بھی لکھ دیا ہے۔ سارا کلام عاشقانہ ہے لیکن کبھی کبھی اخلاقی نظمیں بھی کہی ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

محمود کیری بنتی[۱] صاحب اتنی مانیں[۲]   نبی محمد کی دوستی راکھیں مکھ کا پائیں

نینوں کاجل مکھ تنبولا ناک موتی گل ہار   سیس نماؤں نیہہ اپاؤں اپنے پیر کروں جوہار

(یعنی آنکھوں میں کاجل، منہ میں پان، ناک میں موتی، گلے میں ہار، اس سج دھج سے میں سر جھکاؤں، محبت کروں اور اپنے پیر کو آداب کروں)

کوئی مایلا[۳] مرم[۴] نہ بوجھے رے   بات من کی کس نہ سوجھے رے

دکھ جیو کا کس کہوں اللہ دکھ بھریا سب کوئی لیے

نر دوکھی[۵] جگ میں کو نہیں میں پرکھی پھر پھر جوئی[۶] رے

(یعنی اے اللہ میں اپنے جی کا دکھ کس سے کہوں، سب کوئی دکھ بھرے ہیں۔ میں نے دنیا جہان میں پھر پھر کے دیکھا، کوئی ایسا نہ ملا جو دکھی نہ ہو۔)

جاری پھوڑ سنوری نی کیسی   اک تل آنکھ نہ لائی

(اے پھوڑ دور ہو، یہ تو کس لیے بنی سنوری ہے جب کہ تو نے ایک لمحے کے لیے کسی سے آنکھ نہیں لگائی یعنی عاشق نہ ہوئی)

---

[۱] منت، التجا [۲] مانو [۳] اندر کا [۴] بھید [۵] جسے کوئی دکھ نہ ہو [۶] ڈھونڈنا

آج سریجن گھر آیا   کیوں نہ کروں مہمانی

پانچوں وقت نماز گزاروں دائم پڑوں قرآن

کھاؤ حلال بولو مکھ ساچا راکھو درست ایمان

چھوڑ جنجال جھونٹی سب مایا جی من ہووے گیان

کلمہ شہادت مکھ بنسارو جس تھی چھوٹو ندھان

دین دنی کی نعمت پاؤ جو جنت راکھو شانوں

محمود مکھ تھیں تل نہ بسارئے اپنے دھنی کا نانوں

شاہ علی محمد جیوگام دھنی

شاہ علی محمد جیوگام دھنی کا مولد و منشا گجرات ہے۔ آپ گجرات کے کامل عارفوں اور درویشوں میں سے ہیں۔ اہل گجرات پر آپ کی تعلیم و ہدایت کا بہت اثر تھا۔ آپ کا انتقال سنہ ۹۷۳ھ/۱۵۶۵ء میں ہوا۔

آپ کے کلام کا مجموعہ جو "جواہر اسرار اللہ" کے نام سے موسوم ہے آپ کے دادا کے ایک مرید اور آپ کے معتقد شیخ حبیب اللہ نے جمع کیا ہے۔ اسی کلام کا دوسرا نسخہ آپ کے پوتے سید ابراہیم نے مرتب کیا ہے۔ شاہ علی جیو بڑے پایہ کے شاعر ہیں، ان کا کلام توحید اور وحدت وجود سے بھرا ہوا ہے اور اگرچہ وحدت وجود کے مسئلے کو وہ معمولی باتوں اور تمثیلوں میں بیان کرتے ہیں مگر ان کے بیان اور الفاظ میں پریم کا رس گھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ عاشق ہیں اور خدا معشوق ہے اور اپنی محبت کو طرح طرح سے جتاتے ہیں۔ طرز کلام ہندی شعرا کا سا ہے اور عورت کی طرف سے خطاب ہے۔ زبان سادہ ہے، لیکن چونکہ پرانی ہے اور غیر مانوس الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اس لیے کہیں کہیں سمجھنے میں مشکل پڑتی ہے۔

چند آسان نمونے پیش کرتا ہوں۔

تم ری پیا کو دیکھو جیسا　　ہور جیوں پرکھو سائیں ایسا
سوے تھیں ہوناں وہ ایسا

ایک سمند سات کہاوے
دھونوس، بادل، بیہ برساوے
وہی سمند رسو بوندو کھالے
ندیاں نالے ہوکر چالے

پیو ملا گل لاگ رہی جے
شکھ منہ دکھ کی بات نہ کیجے

جے ہے سو ہے نہیں نہیں
چھٹ ایک وہی ہے سہو کہیں

کہیں سو مجنوں ہو برلاوے
کہیں سو لیلیٰ ہوے دکھاوے
کہیں سو خسرو شاہ کہاوے
کہیں سو شیریں ہوکر آوے

---

۱ میں

ادھر[1] پنوائی[2] چک[3] رتنائی[4]
بینی باسک[5] ہور تل کالی
ایہہ جیو مانگیں بہویں دمائی[6]

آپیں کھیلوں آپ کھلاؤں
آپیں آپس لے گل لاؤں

بھیس بندوں کے کرسو بندگی اوٹھا[7] ہو ہو نماز گزاروں
ہوش[8] حاجی ہوں کعبہ آہوں آپیں آپیں اوپر واروں

کبھی سو ہوئے اندھیاری راتا
سانج بتی کر لاوے دھاتا
ہوکر دیورا راتیں ساری
لاکر جوت دکھاوے ساری

کہیں سو عاشق ہوکر راؤں کہیں عارف ہوئے پچھانوں
کہیں موحد کہیں محقق کہیں سو جانوں کہیں نجانوں

جو جیوڑا پیو سوں لاگا　　ہیئے جس نیہ کی آگا
تنھوں کا لوجہ سب بھاگا

---

۱ ہونٹ ۲ پان کھائے ہوئے ۳ آنکھ ۴ سرخ ۵ سانپ ۶ دنبالہ دار ۷ اٹھ اٹھ کر ۸ میں

جنھوں من پرم کا بھٹکا   تلیں تل نیہ کا کھٹکا

سو جانے مرم کا لٹکا

میاں خوب محمد چشتی

ایک اور بزرگ میاں خوب محمد چشتی ہیں۔ یہ بھی احمد آباد (گجرات) کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار وہاں کے بڑے درویشوں اور اہل عرفان میں ہے۔ خصوصاً تصوف میں دست رسا رکھتے تھے، صاحب تصانیف اور صاحب سخن تھے آپ کی ولادت سنہ ۹۴۶ھ/۱۵۳۹ء میں اور وفات سنہ ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء میں ہوئی۔ "خوش" سے تاریخ ولادت اور "خوب تھے" سے تاریخ وصال نکلتی ہے۔

تصوف میں ان کی کئی کتابیں ہیں۔ ان میں سے بعض میرے پاس ہیں۔ ایک رسالہ "بھاؤ بھید" صنایع بدایع کلام میں ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں "گفتہ صنایع بدایع از زبان گجرات از جہت یادداشت می گویم، امید بحضرت صانع و بدیع چنانست کہ مقبول گرداند۔ دوھرہ:

حمد خدا کی خوب کر کہہ صلوۃ رسول

پچھیں صنعت شعر کی کہے تو ہوئے قبول

اماں بعد ایں رسالہ بخطاب "بھاؤ بھید" مخاطب شدہ است دربیان تلونات کلام و انواع مفہومات نظام۔

دوہرہ:

بھاؤ بھید اس ناؤں کر بات بکٹ سمجھائیں

بھاؤ بھید کے شعر کے خوب جو بجھ آپ آئیں

اگرچہ تشریح ہر صنعت کی فارسی میں کی ہے لیکن اس کا مفہوم گجراتی اردو میں بھی ادا کیا ہے، مثالیں گجراتی اردو میں ہیں اور یہ تمام مثالیں

منظوم اور خود اپنی تصنیف سے ہیں۔ دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

صنعت متضاد، آنست کہ الفاظ چند ضد یک دیگر باشند، مثال

دھیان خدا کا پکڑ جو چھوڑے اُسے کہیں جگ مانہ

بھلا بُرا ہو ثمر یا دیکھو سبل کھیل اس کٹھانہ

عقدہ: تبن پائیں دی رج بسلائے باد بھر کے اک کلال

خوب ملیں صندلی رنگ نیلے پیلے کالے لال

صنعت تفریق تنہا آنست کہ میانِ دو چیز جدائی افگند، مثال

میں خوب تفریق تنہا پچھان

جدائی دو ہوں مانہ اس بھانت آن

کنول مکھ جمل بن جدائی ایک بات

کنول دیس بھول سے نیں یہ دیس رات

ان کی سب سے مشہور اور مقبول کتاب "خوب ترنگ" ہے جس کا سنہ تصنیف انھوں نے خود اسی تصنیف میں بتا دیا ہے "چودہ گھاٹ ادس برس ہزار"، یعنی ہزار میں سے چودہ کم (نوسو چھیاسی ۹۸۶ ہجری)۔ خوب ترنگ خالص تصوف کی کتاب ہے۔ شاہ علی محمد جیو کی کتاب "جواہر اسرار اللہ" اس سے مختلف ہے۔ اُس میں عشق و محبت کا رنگ ہے اور قلبی واردات کا ذکر ہے۔ خوب ترنگ اس کے مقابلے میں ایک خشک کتاب ہے جس میں صوفیانہ اصطلاحات میں تصوف کے مقامات کا بیان ہے۔ میاں خوب محمد عالم اور سالک ہیں تصوف کے نکات کے ماہر اور بہت اچھے ناظم ہیں۔ اُنھوں نے اپنی اس کتاب کی شرح فارسی میں "امواج خوبی" کے نام سے لکھی ہے۔

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

بسم اللہ کہوں چھٹ ذات
جس رحمان رحیم صفات
ذات صفات اسما افعال
جمع مفصل چند اک حال
نانو محمد تس کو دیت
اس تفصیل سو عالم کیت
اسی روح ارواح تمام
اسی جوش کے سب اجسام

جوں کھلہلیا سمند چھپائے
جانے سب دریا لے جائے
نوک نخصیں دریا بن پار
بھرے تو نو کج کی مقدار
جیوں ظاہر بھنتیاں کہلائیں
پن اینٹاں اس بھانت دکھائیں
ذرے مسل اک ڈولا سٹھانہ
نانوں دھریا ہے اینٹ سوتانہ
جوہر عرض سو ذرہ جان
تلتل بھرے عرض من آن

---

۱ جُٹنہ ۲ مجموعہ

جس کو وہم کرے نہیں دوئے
ڈاڈا جمنا جیسے نہ ہوئے

باباشاہ حسینی

باباشاہ حسینی معروف بہ پیر بادشاہ بھی ایک بزرگ ہوئے ہیں جو صاحب دیوان ہیں اور حضرت شاہ علی جیو کے مرید و معتقد معلوم ہوتے ہیں۔ دیوان کے خاتمے پر شاہ صاحب کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

شاہ علی جیو جگ پرور تم ہو میرے لال
نازک نہال ہے شاہ حسینی راکھو تم سنبھال
دنیا فانی سراب کی نالاگی اس کو جھال

ان کا کلام صوفیانہ اور عارفانہ ہے۔

اُس صاحب شناسوں دیکھو جب صدا ہوا
ہر عبد کتی جواب سو قالو بلا ہوا

غزل

روبرو ہے شہر درسن بے نقاب
دیک ناسک بولتے ہیں در حجاب
تس اوپر رکھتے ہیں خواہش دید کی
دیدہ کر آپس کا مانند حباب
اس عبادت بیچ نیں ہے حق رسی
حوض مسجد کا کریں پانی خراب

---

۱ بائیں ۲ دائیں

حق رسی کی ہے عبادت عین دید
جوں صنم کا مبتلا مست شراب
دل تراز آب ریا ظاہر منے
بہر استنجار ہیں در پیچ و تاب
گھر سے نکلیں رہ گزر کی دید کوں
وقت جانا گر جماعت کا شتاب
طعنہ زن نیں ہے حسینی برعباد
دل سیں کرتا ہے اپس کے یوں خطاب

میں نے اس مضمون میں گیارہ صدی تک کے اہل اللہ اور صوفیا کا ذکر کیا ہے ۔ بعد کے بزرگوں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ گیارہویں صدی اور اس کے بعد یہ زبان عام ہو گئی تھی اور اس میں بہت اچھے اچھے خوش بیان شاعر اور صاحب سخن پیدا ہو گئے تھے ۔

گجرات و بیجاپور کے بزرگوں کے سلسلے میں ایک بات یہ عرض کرنی چاہتا ہوں کہ دلی سے جو زبان جنوب کی طرف گئی اس کی دو شاخیں ہو گئیں ۔ دکن میں گئی تو دکنی لہجے اور الفاظ کے داخل ہونے سے دکنی کہلائی اور گجرات میں پہنچی تو وہاں کی مقامی خصوصیت کی وجہ سے گجری یا گجراتی کہی جانے لگی ۔ ہم ابھی دیکھ چکے ہیں کہ شاہ میراں جی اور شاہ برہان نے ہندی میں لکھنے کی معذرت کی اور جس زبان میں انھوں نے نظمیں تحریر فرمائی ہیں اُسے ہندی سے موسوم فرماتے ہیں ۔ یہاں ہندی کا لفظ فارسی کے مقابلے میں استعمال کیا گیا ہے ۔ عام طور پر ہر دیسی زبان ہندی کہی جاتی تھی ۔ یہ زبان جو بعد میں ریختہ اور اب اردو کے نام سے

معروف ہے ایک مدت تک ہندی ہی کے نام سے موسوم رہی ، چنانچہ میر تقی ، میر حسن ، یہاں تک کہ مصحفی اپنے تذکروں کو سخن آفرینان ہندی اور سخن گویان ہندی کے تذکرے کہتے ہیں ۔

لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ باپ بیٹے (شاہ میراں جی اور شاہ برہان) جو ہندی میں لکھنے کی معذرت کرتے ہیں دوسرے مقامات پر اپنی زبان کو گجری یا گجراتی کہتے ہیں ۔ چنانچہ شاہ برہان اپنی کتاب "کلمۃ الحقائق" میں فرماتے ہیں :

" سبب " یو زبان گجری نام ایں کتاب کلمۃ الحقائق "

اپنی ایک دوسری تصنیف " حجۃ البقا " میں لکھتے ہیں :

جے ہوویں گیان بچاری — نہ دیکھیں بھاکا گجری
جس ارتھوں کیر افہام — کیا بولوں سو ہے کام

یہی بزرگ اپنی ایک دوسری کتاب " ارشاد نامہ " میں کہتے ہیں ۔

یہ سب گجری زبان — کر یہ آئینہ دیا نمان

شاہ علی محمد جیو کے کلام جواہر الاسرار کے مرتب شیخ حبیب اللہ اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں ۔ " بہ لسان دُرر بار و جواہر نثار بہ الفاظ گوجری بہ طریق نظم بزبان مبارک خود فرمودند " شیخ خوب محمد بھی اپنی کتاب کی زبان کے متعلق فرماتے ہیں :

جیوں میری بولی منہ بات
عرب عجم مل ایک سنگات

" جیوں میری بولی منہ بات " کا مطلب یہ ہے کہ وہ بولی جو میرے روزمرہ کی بول چال ہے ۔ اس کی شرح " امواج خوبی " میں یوں کی ہے ۔

"ہر یک شعرے بزبان خود تصنیف کردہ اند و میکنند، من بزبان گجرات کہ بالفاظ عربی و عجمی آمیز است گفتہ ام۔" یعنی ان کی زبان وہ ہے جس میں گجراتی کے ساتھ عربی فارسی الفاظ کی آمیزش ہے۔ اسی آمیزش کا نام ریختہ ہے۔

"باؤ بعید"، کی تمہید میں لکھتے ہیں۔ "صنائع بدائع را بزبان گجرات از جہت یادداشت می گویم۔"

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

جیوں دل عرب عجم کی بات
سن بولے بولی گجرات

یہاں بھی اپنی زبان کو گجراتی کہا ہے۔

شاہ برہان کا ایک جگہ اپنی زبان کو ہندی کہنا اور دوسری جگہ گجری کہنا بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ بات نہیں۔ ہندی عام ہے یعنی وہ زبان جو ہر جگہ مستعمل تھی ہندی ہی کے نام سے موسوم تھی۔ گجری اور گجراتی خاص ہے یعنی وہ زبان جو گجرات اور اس کے قرب و جوار کے علاقے میں بولی جاتی تھی اور جس میں کچھ مقامی لفظ بھی داخل ہو گئے تھے۔ زبان ایک ہے، دکن میں دکنی کہنے لگے اور گجرات میں گجری اور گجراتی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اُن میں کہیں مقامی رنگ کی جھلک نظر آجاتی ہے۔

اگرچہ میراں جی شاہ اور برہان شاہ اپنی زبان کو گجری بھی کہتے ہیں لیکن ان پر گجراتی کا اتنا اثر نہیں جتنا قاضی محمود دریائی، شیخ علی محمد یا میاں خوب محمد کی زبان میں پایا جاتا ہے۔ وہ لوگ پھر بھی گجرات سے دور تھے اور یہ دونوں صاحب خاص احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے اور اسی لیے ان کے ہاں بہت سے ٹھیٹ گجراتی لفظ استعمال ہوئے ہیں جو بیجاپوری

بزرگوں کے کلام میں نہیں پائے جاتے۔ مثلاً ہوں بمعنی میں (ضمیر واحد متکلم) ڈوسی یا ڈوشی (بمعنی بڑھیا) اونڈا (گہرا) چھولی (چھوٹی موج) ہبب یا ہبیں (ہوئے) جمنا (دایاں) پپوٹے یا فوفوٹے (حباب) وغیرہ، محض اس ذرا سے فرق کی بنا پر اسے گجراتی کا نام دے دیا گیا تھا۔

میں نے آپ کے سامنے آٹھویں نویں اور دسویں صدی اور ایک دو گیارہویں صدی کے زمانے کے نمونے پیش کیے ہیں۔ یہ سب صوفیا کے کلام میں سے انتخاب کیے گئے ہیں۔ آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ قدما کے اقوال جو کسی خاص سوال کے جواب میں یا معمولی گفتگو میں آئے ہیں وہ خالص ہندی میں ہیں۔ اُن میں شاذونادر فارسی عربی لفظ نظر آتے ہیں۔ ابتدائی کلام بھی سادہ ہندی ہے۔ خصوصاً جو صوفی سماع کا ذوق رکھتے تھے اور شاعر بھی تھے ہندی دوہرے اور خیال وغیرہ اُسی زبان میں کہتے تھے۔ لیکن اُن میں بھی کبھی کبھی اپنے ہاں کے عارفانہ الفاظ داخل کر دیتے تھے۔ جب انھیں اپنے مریدوں اور معتقدوں کی ہدایت کے لیے نظم و نثر میں رسالے لکھنے پڑے تو وہ اپنی مذہبی اصطلاحات ہندی تصوف کے الفاظ کے ساتھ ساتھ بے تکلف استعمال کرنے لگے یہاں تک کہ حمد و نعت میں بھی عربی کے خاص الفاظ کے ساتھ سنسکرت کے مذہبی لفظ بھی بے ساختہ لکھ گئے ہیں۔ اس رواداری سے ان کی غرض یہ تھی کہ ان کی ہدایت عام اور وسیع ہو۔ جس طرح انھوں نے ملک کے حالات کے لحاظ سے بعض ظاہری قیود کو توڑ کر اہل ملک سے ارتباط اور میل جول بڑھانے اور اُن کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اسی نظر سے انھوں نے اُن کی اور اپنی زبانوں کو بھی ملانا شروع کیا۔ اُن کی نظموں کی بحریں (اکثر و بیشتر) ہندی ہیں،

طرز بھی نظموں کا ہندی ہے یہاں تک کہ کبھی کبھی ہندی دیو مالا کی تلمیحیں
اور استعارے بھی استعمال کر جاتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ اپنی چیزوں کو
بھی ملاتے جاتے ہیں۔ ہوتے ہوتے اس میل اور ارتباط سے خود بخود ایک
نئی زبان بن گئی جو نہ ہندی تھی نہ فارسی، بلکہ ایک نئی مخلوط زبان تھی جسے
ہم اب اردو یا ہندوستانی کہتے ہیں۔

یہ لوگ اپنی نظموں میں عروض و قافیہ اور نظم کے اصول و قواعد کی پروا
نہیں کرتے۔ اکثر مصرع کو کھینچ تان کر سکتہ پورا کر لیتے ہیں (جیسے سر کو سیر اور
فکر کو فکیر) ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کر لینا اُن کے ہاں کوئی بات
نہیں۔ اشباع و امالہ، ترخیم و تخفیف کا بلا تکلف استعمال کر جاتے ہیں۔
قافیہ میں صرف صوت کا خیال کرتے ہیں، لبعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آواز میں
بھی ایک نہیں تو بھی بلا تامل قافیہ باندھ جاتے ہیں، مثلاً خالق کا قافیہ مالک
اس بنیاد پر روا ہو سکتا ہے کہ ہندی میں ق اور ک کی آواز میں چنداں فرق
نہیں کیا جاتا لیکن عارف کا صادق فرق کا طرف، عشاق کا کشاف،
شرف کا فرق، انصاف کا پاس قافیہ کیونکر ہو سکتا ہے یہ بزرگ اس کی
پروا نہیں کرتے۔ جن عربی الفاظ کے آخر میں ح اور ع آتے ہیں اُن میں
ان حروف کا تلفظ اکثر اہل ہند نہیں کرتے، اسی بنا پر لبعض بزرگوں نے گرد
کا قافیہ شرد (شروع) اور صحی (صحیح) کا قافیہ کوئی باندھ دیا ہے۔ وہ ان
چیزوں کا اس لیے خیال نہیں کرتے تھے کہ اُنھیں اپنا کلام اور اپنی ہدایت
عوام تک پہنچانی تھی اور یہ سب چیزیں اُنھیں کی زبان میں اُنھیں کے لیے
لکھتے اور کہتے تھے۔

ہندی یا اس نومولود زبان میں لکھنا اہل علم اپنے لیے باعث عار

سمجھتے تھے اور وہ اپنی عالمانہ تصانیف کو اس حقیر اور بازاری زبان کے
استعمال سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ صوفی ہی تھے جنھوں نے سب سے
پہلے جرأت کی اور اس کفر کو توڑا۔ اصل صوفی ظاہری ننگ و عار سے بالاتر ہوتا
ہے۔ اُس نے پھر ایک بار یہ دکھا دیا کہ حقیر سی حقیر چیز سے بھی کیسے کیسے بڑے
کام نکل سکتے ہیں۔ یہ صوفیوں ہی کی جرأت کا فیض تھا کہ ان کی دیکھا دیکھی
دوسرے لوگوں نے بھی جو پہلے ہچکچاتے تھے اس کا استعمال شعر و سخن، مذہب و
تعلیم اور علم و حکمت کے اغراض کے لیے شروع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں
ان صوفیائے کرام کو اُردو کا محسن خیال کرتا ہوں۔

یہ بزرگ اس زبان کے بڑے ادیب اور شاعر نہ تھے یا کم سے کم
ان کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھی، نہ اس کا اُنھیں کچھ خیال تھا، اُن
کی غایت ہدایت تھی لیکن اس ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا
اور عہد بعہد نئے نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں اور اُن کی مثال
نے دوسروں کی ہمت بڑھائی جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہو گئی۔
گویا ادب ایک بھولی بسری داستان ہے لیکن اُردو زبان کا مورخ اُن کے
احسان کو کبھی نہیں بھول سکتا۔

حضرت کبیر

میں اس مضمون کو حضرت کبیر کا ذکر کیے بغیر ختم نہیں
کر سکتا۔ یہ بنارس کے رہنے والے تھے، ان کے زمانے
کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے۔ ابو الفضل اور دوسرے مورخوں نے
انھیں سکندر لودھی کا ہمعصر بتایا ہے جو دسویں صدی ہجری کا ابتدائی
زمانہ ہوتا ہے۔ کبیر سچے صوفی اور عارف ہیں۔ انھوں نے معرفت الٰہی،
دنیا کی بے ثباتی وغیرہ پر خوب خوب نظمیں لکھی ہیں۔ وہ ریا اور ظاہر داری

کے سخت دشمن ہیں اور شیخ و برہمن دونوں کو یکساں لتاڑتے ہیں۔ وہ شاعر بھی اعلیٰ درجے کے ہیں۔ ان کے کلام میں سادگی اور شیرینی ہے اور اس کے ساتھ ہی اثر، جدّت اور زور بھی ہے۔ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مضامین کو اپنی روزمرّہ کی سادہ زبان میں معمولی تمثیلوں اور تشبیہات و استعارات کے ذریعے اس خوبی اور صفائی سے بیان کر جاتے ہیں کہ دل پر چوٹ لگتی ہے۔ وہ بہت دلیر اور جری بھی ہیں اور کڑوی سے کڑوی بات کو صاف صاف بے دھڑک کہہ جاتے ہیں۔ لاگ لپیٹ ان میں نام کو نہیں۔ جو کہتے ہیں ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں اور کسی کی مروت نہیں کرتے اور ہندو مسلمان سب کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ اُن کے کلام اور زبان کی سادگی و تاثیر اور صداقت و خلوص نے انھیں دونوں فرقوں میں یکساں مقبول بنا دیا ہے۔ ہندو انھیں کبیر داس اور مسلمان شاہ کبیر کہتے ہیں۔ اُن کی زبان جیسا کہ اُن کا وطن بتاتا ہے اور جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں، پوربی ہے۔

میری بولی پوربی تاہی نہ چینھے کوئے
میری بولی سو لکھے جو پورب کا ہوئے

لیکن ان کی پوربی گوسائیں تلسی داس یا ملک محمد جائسی کی سی پوربی نہیں کہ جن کے کلام کے سمجھنے کے لیے شرح کی ضرورت ہے۔ کبیر کا کلام جنوبی ہند کے بعض علاقوں کو چھوڑ کر ہندستان کے ہر حصے میں آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ تلسی داس اور ملک محمد جائسی کی زبان پرانی اور مُردہ ہو جائے گی لیکن کبیر کا کلام ہمیشہ تازہ اور ہرا بھرا رہے گا۔ یہی وہ زبان تھی جو نویں اور دسویں صدی ہجری میں ہندستان کے تقریباً ہر خطے میں بولی یا سمجھی جاتی تھی اور اسے ہندستان کی عام زبان ہونے کا فخر حاصل

تھا۔ حضرت کبیر نے جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب کو ایک کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح ان دونوں کی زبانوں کو بھی اپنے کلام میں بڑی خوبی سے ملا کر ایک کر دیا ہے۔ یہیں سے اُردو یا ہندستانی کی بنیاد شروع ہوتی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ کبیر اُس زبان کے اوّلین بانیوں میں سے ہیں جو ہندستان کی عام زبان کہلانے کی مستحق ہے۔ بلاشبہ اُن کے خیالات اعلیٰ اور اُن کا خلوص بے ریا ہے اور ایسے شخص کا اثر ہونا لازم ہے۔ لیکن اُس کی زبان نے اُس کے اثر کو زیادہ گہرا کر دیا ہے اور اُن کی سادگی میں حلاوت پیدا کر دی ہے۔ اور ان کی محبوبیت اور مقبولیت کو دہ چند کر دیا ہے۔ وہ عربی فارسی الفاظ بلا تکلّف اور بڑے موقع سے استعمال کرتے ہیں اور اب بھی کئی سو برس بعد جب ہم اُن کا کلام پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کہنے والا ہمارے زمانے کا شخص ہے۔ یہ پھل اس پیڑ کا ہے جو انھوں نے ہندی پر فارسی کی قلم باندھ کر لگایا تھا۔ کلام کا نمونہ ملاحظہ کیجیے:

رہنا نہیں دیس بیگانا ہے
یہ سنسار کاگد[1] کی پُڑیا ہے
بوند پڑے گھُل جانا ہے

بہت دن بچھڑے ہری پائے — سہاگ بڑے گھر بیٹھے آئے

جاگ پیاری اب کا سووے — رین گئی دن کا ہے کھووے

---

[1] کاغذ

مرے تو مر جائیے چھوٹ پڑے جنجار[1]   ایسا مرنا کو مرے، دن میں سو سو بار

کبیر یہ گھر پریم کا خالہ کا گھر ناہیں   سیس اتارے ہاتھ سے سو بیٹھے گھر ماہیں

ایسا کوئی نا ملے جا سوں رہیے لاگ   سب جگ جلتا دیکھیے اپنی اپنی آگ

بیٹھا کہاں مدھو کری بھانت بھانت کو ناج
دعویٰ کس ہی کا نہیں بنا ولایت راج

کبیر اس سنسار کو سمجھاؤں کے بار   پونچھ تو پکڑے بھیڑ کی اُترا چاہے پار

کبیر نوبت آپنی دس دن لیہو بجائے
اے پور پٹن اے گلی بہیر نہ دیکھو آئے

میرا مجھ میں نہیں جو کچھ ہے سو تیرا
تیرا تجھ کو سونپتے کیا لاگے میرا

کبیر سکھ کو جائے تھا آگے آیا دکھ   جلی سکھ گھر اپنے ہم جانیں اور دکھ

کبیر ایک نہ جانیا تو بہوا جانیا کیا ہوئے
ایک ہی تیں سب ہوت ہے سب تی ایک نہ ہوئے

---

[1] جنجال

ہاڑ جلے جوں لاکڑی کیس جلے جوں گھاس
سب تن جلتا دیکھ بھیا کبیر اداس

کبیر حد کے جیو سوں ہت کر مکھوں نہ بول
جے لاگے بے حد موں تن سوں انتر کھول

کبیر ناؤ ہے جرجری کوڑے[1] کھیون ہار
ہلکے ہلکے تر گئے بوڑے[2] جن سر بھار

سکھیا سب سنسار ہے کھائے اور سووے
دکھیا داس کبیر ہے جاگے اور رووے

کبیر بھاٹی کلال کی بہت ایک بیٹھے آئے
سر سونپے سوئی پیے نہیں تو پیا نہ جائے

چلو چلو سب کوی کہے موہی اندیسہ اور
صاحب سوں پرچا نہیں جائیں گے کس ٹھور

---

[1] بیوقوف [2] ڈوبے